قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلۂ

التبلیغ

کا

بارہواں وعظ مسمیٰ بہ

ترکِ مالایعنی

منجملہ ارشادات حضرت مرشدی و مولائی قبلہ و کعبۂ ام حکیم الامت شاہ

محمد اشرف علی صاحب دام ظلکم

حسب فرمائش صوفی عبدالقادر صاحب ناظم مطبع

احقر شبیر علی عفی عنہ کے اہتمام سے

مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں طبع ہوا

الوعظ المسمیٰ بہ ترک مالایعنی

این	متیٰ	کم	کیف	لم	ماذا	من ای شا نتفع	من ضبط	المستمعون	الاشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کیونکر ہوا	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
میرٹھ مکان شیخ رشید احمد صاحب	۱۹ جمادی الاخری ۱۳۳۰ھ جمعہ	۲ گھنٹہ	کھڑے ہو کر	بدرخواست اہل صدر	لایعنی امور کے ترک اور اختلاط نالائق کو کم کرنا چاہئے	سالکین کو بالخصوص	ظفر احمد عفا اللہ عنہ	تقریباً ۱۰۰	[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ

یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اسمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے ایک نہایت نافع دستور العمل بیان فرمایا ہے جو ایک جامع کلام ہے جسمیں دنیا و آخرت دونوں کا انتظام متضمن ہے اور یہ حضور کا معجزہ اور کمال ہے کہ چند لفظوں میں نہایت جامع مضمون آپ ارشاد فرما دیتے ہیں گویا وہ ایک کلی ہے جسکے تحت میں صدہا ہزارہا جزئیات موجود ہیں اور سب جزئیات کا حکم ایک کلیہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسقدر بھی دستور العمل ارشاد فرمائے ہیں وہ سبھی نافع ہیں حتی کہ اسی لئے بعض دفعہ بیان کے وقت سخت حیرانی ہوا کرتی ہے کہ کس بات کو بیان کیا جاوے آپکی ساری ہی باتیں بیان کے قابل ہیں مگر اسکے لئے تو ایک طویل عمر بھی ناکافی ہے اسلئے ایک جلسہ میں ایک ہی مضمون کو اختیار کیا جاتا ہے مگر اس اختیار کا معیار ایک امر اجتہادی ہے جسکی بنا پر متعدد مضامین سے ایک کو ترجیح دیجاتی ہے اور وہ معیار ضرورت ہے لیکن ضرورت بھی سبھی ارشادات کی ہے آپکا کوئی بھی ارشاد غیر ضروری نہیں

مگر زیادہ ضرورت پر نظر کرکے ایک بات کو اختیار کرلیا جاتا ہی اور زیادہ ضرورت کا معیار مخاطبین کی کوئی خاص حالت ہوا کرتی ہی جیسے فن طب میں ایک ایک مرض کیلئے بہت سے نسخے ہوتے ہیں کہ وہ سب اس مرض کیلئے مفید ہوتے ہیں لیکن طبیب اُنھیں سے کسی ایک کو ترجیح دیکر اُسی کو تجویز کردیتا ہی اور اس ترجیح کیوجہ فصول و امزجہ کا اختلاف ہی کہ ایک نسخہ ایک فصل کیلئے مناسب ہو دوسرا دوسری موسم کیلئے اور ایک نسخہ کسی مزاج کے موافق ہے دوسرا کسی اور مزاج کے۔ ان امور خاصہ پر نظر کرکے طبیب کسی ایک نسخہ کو ترجیح دیا کرتا ہی اور اسکا مدار محض معالج کی تشخیص پر ہی اُسکے اجتہاد میں جو نسخہ مریض کی مزاج سے زیادہ موافق اسوقت ہوتا ہی وہ اُسی کو اختیار کرلیتا ہے یہ ممکن ہی کہ دوسرے طبیب کے نزدیک اسوقت کسی دوسری نسخہ کو ترجیح ہو کیونکہ اُسکی تشخیص میں مرض کی کیفیت کچھ اور ظاہر ہوئی ہی مگر بہر حال ایک طبیب کو دوسرے پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہر ایک نے اپنے اجتہاد سے ایک کو ترجیح دی ہی یہی حالت معالجہ باطنیہ کی ہی کہ اسمیں بھی خصوص مواقع کیوجہ سے ایک خاص تدبیر کو اختیار کیا جاتا ہے چنانچہ اسوقت ایک ایسی ہی خاص وجہ سے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہی اور وہ وجہ یہ ہی کہ یہ مضمون باوجودیکہ نہایت ضروری ہے مگر اسکی طرف سے غفلت بہت ہو رہی ہی۔ کسی مضمون کے ضروری ہونیکے مختلف اسباب ہوا کرتے ہیں کبھی ایک مضمون کا بیان کرنا اسلئے ضروری ہوتا ہی کہ اُسپر عمل کرنا شرعاً واجب یا فرض ہی یہ وجہ تو بہت سے احکام میں مشترک ہی کبھی اسلئے ضرورت بیانکی ہوتی ہی کہ کسی فرض یا واجب پر عمل کرنے میں کوتاہی کیجاتی ہی اور ایک بڑا سبب ضروری ہونیکا یہ ہے کہ ایک چیز شرعاً ضروری ہی مگر اُسکی طرف سے بے التفاتی اسدرجہ ہی کہ اُسکو ضروری ہی نہیں سمجھا جاتا اسلئے اُسکی طرف توجہ دلانیکی ضرورت ہوتی ہی چنانچہ یہ مضمون جو میں اسوقت بیان کرنا چاہتا ہوں اُسکی یہی حالت ہے کہ فی نفسہ وہ بہت ضروری ہے مگر عام طور پر لوگونکو اُسکی ضرورت کا احساس نہیں ہی ترجمہ سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ واقعی عموماً اسکو ضروری کوئی نہیں سمجھتا الاماشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو چیز مفید نہو تو می اُسکو ترک کردے ترجمہ سنکر اکثر لوگونکو خیال ہوا ہوگا کہ اسمیں کونسی ضرورت کی بات ہی نہ اسمیں کسی ثواب کا ذکر ہے نہ عذابکا نہ وعدہ ہی نہ وعید ہی نہ کسی کام کے کرنیکا حکم ہے حالانکہ آئندہ آپکو اسکا ضروری ہونا معلوم ہو جائیگا اور اُسوقت آپکو اندازہ ہوگا

کہ اتنی ضروری بات ہے ہم لوگ کسقدر غافل ہیں۔ صاحبو! عملی غفلت سے علمی غفلت زیادہ اشد ہے کیونکہ جس کام کو انسان ضروری سمجھتا ہو لیکن عمل کرنے میں سستی کرتا ہو وہاں تو یہ امید ہو سکتی ہے کہ اگر کسیوقت اسکے ضروری ہونے پر توجہ ہو گئی تو فوراً عمل شروع کر دیگا اور علمی غفلت میں یہ امید بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ جب اُسکو ضروری ہی نہیں سمجھا جاتا تو ضرورت پر توجہ کیونکر ہوگی بلکہ عجب نہیں کہ اگر کوئی شخص کبھی اس کام کی ضرورت بیان کرے تو سُننے والونکو اُس سے وحشت ہو اور یوں کہیں کہ یہ تو بالکل نئی بات ہے آجتک کسی نے بھی اسکو ضروری نہ کہا تھا یہ بات تو ہمنے کبھی نہیں سنی پس علمی غفلت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ متنبہ کرنیسے بھی بعض دفعہ تنبہ نہیں ہوتا اسلئے علمی غفلت کا دور کرنا عملی غفلت کی اصلاح سے مقدم ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات نماز کا بیان نہیں کیا جاتا حالانکہ وہ سب سے زیادہ ضروری فرض ہے اور اُس سے غفلت بھی بہت کیجارہی ہے اور دوسرا مضمون بیان کے لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ نماز سے تو محض عملی غفلت ہے علمی غفلت نہیں ہر مسلمان نماز کی ضرورت کو جانتا اور تسلیم کرتا ہے لیکن اُس دوسری بات کو لوگ ضروری نہیں سمجھتے عمل تو کیا ہی کرتے اسلئے طبیب روحانی اس دوسری بات کو بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کے عقائد کی تو اصلاح ہو جائے اور وہ گو اسپر عمل نکریں تو اُسکو ضروری تو سمجھتے ہیں خلاصہ یہ کہ عملی غفلت سے صرف عمل میں نقصان آتا ہے اور علمی غفلت سے عقائد و خیالات میں۔ اور ظاہر ہے کہ عقائد و خیالات کی اصلاح عملی اصلاح سے مقدم ہے علمی غفلت کا تدارک بہت دیر میں ہوتا ہے اور اگر چندے اُسکی ضرورت کو بیان نکیا جائے تو پھر ذہن میں ڈالنے سے بھی اُسپر توجہ نہیں ہوتی بلکہ اُسکے سُننے ہی سے وحشت اور تعجب ہونے لگتا ہے جیسا کہ اکثر سامعین نے اس حدیث کا ترجمہ سنکر یہ خیال کیا ہوگا کہ اسمیں تو کوئی ضروری بات نہیں بلکہ محض ایک معمولی بات ہے کہ جو چیز مفید نہو اُسکو ترک کر دینا چاہیے میں کہتا ہوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں اور اُنمیں سے بھی بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں یہی تو بڑی خوبی ہے کہ وہ بڑے بڑے مہلک امراض کا علاج نہایت سہل اور معمولی باتوں میں کر دیتے ہیں جنکو دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو کچھ بھی علاج نہیں محض ایک معمولی بات ہے لیکن اُسپر عمل کرنیسے اُسکا فائدہ عظیم جب معلوم ہوتا ہے اُسوقت حضور کی تعلیم کی قدر ہوتی ہے اور بیساختہ یوں کہتا ہے ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جان جاں ہمراز کردی

انبیاء کی تعلیم ایسی ہوتی ہے جیسے بعض اطباء جڑی بوٹیوں سے علاج کیا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ طبیب بڑا ماہر ہے جو ایک معمولی گھاس سے بڑے سے بڑے مرض کا علاج کردے مگر اسکی قدر وہی کرسکتا ہے جو اسکے علاج پر ایکدفعہ عمل کرکے اُسکے فائدہ کا مشاہدہ کرچکا ہو ورنہ ظاہر بین لوگ تو یہی کہدیتے ہیں کہ یہ بھی کوئی علاج ہے جسمیں جنگل کی گھاس ہی بتلادی جو ایک پیسہ کو بھی نہیں پوچھی جاتی مگر حقیقت میں فن دانی اسی کا نام ہے کہ ہلدی لگے نہ پھٹکری اور کام جلدی ہو جائے۔ ہمارے اُستاد علیہ الرحمۃ (مولانا محمد یعقوب صاحب رح) اکثر جڑی بوٹیوں سے علاج بتلادیا کرتے تھے مولانا علم طب میں بھی بڑے ماہر تھے اور آپکے نسخہ میں زیادہ اجزاء نہوتے تھے اکثر تو مفردات ہی بتلادیا کرتے تھے ورنہ دو یا تین سے زیادہ اجزاء نہوتے تھے ایک مرتبہ آپنے ایک رئیس کو یہ دوا بتلائی کہ جامن کی کونپلوں کو سیاہ مرچوں میں پیسکر استعمال کریں یہ واقعہ تو میں نے ناتمام سنا ہے یہ معلوم نہیں کہ اُن حضرات نے اسکو استعمال کیا یا نہیں دوسرا واقعہ مکمل سنا ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ مولانا انبہٹہ تشریف لے گئے مولانا کی دوسری شادی انبہٹہ ہی میں ہوئی تھی اسلئے وہاں جانا آنا رہتا تھا ایک رئیس کو وہاں معدہ کا کچھ مرض تھا جسکے علاج انھوں نے بہت کئے تھے مگر کسی علاج سے نفع نہوا جب مولانا وہاں تشریف لیگئے تو انہوں نے حضرت سے بھی رجوع کیا مولانا نے اُنکو یہ دوا بتلائی کہ اکاس بیل کو دودھ میں پکاکر استعمال کریں چونکہ ایک معمولی دوا تھی جسمیں ایک پیسہ کا بھی خرچ نہ تھا کیونکہ اکاس بیل خودرو بہت ملتی ہے اسلئے اس رئیس کو اسکی قدر نہوئی وہ یہ سمجھے کہ میرے مرض کے لئے تو ایسے نسخہ کی ضرورت ہے جسمیں بہت روپئے خرچ ہوں اس معمولی دوا سے مجھے کیا آرام ہوگا مولانا کو بھی آثار سے معلوم ہو گیا کہ اس شخص نے میرے نسخہ کی قدر نہیں کی فرمایا کہ اسکو معمولی نہ سمجھو تمہارے مرض کی یہی ایک دوا ہے اسکو استعمال کرکے دیکھو مگر اُنہنے پھر بھی توجہ نکی جب مریض کو طبیب پر اعتماد نہو تو اُسکی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ اُسکی خوشامد کرے پھر مولانا کو کونسی فیس ملتی تھی جو وہ خوشامد کرتے مولانا بھی خاموش ہو رہے اتفاق سے اُس محلہ کی مسجد میں ایک نابینا ملاجی موذن تھے جنکی بزرگی کے لوگ معتقد تھے اُنہوں نے صبح کو اس رئیس کے روبرو خواب بیان کیا کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا اور دریافت کیا کہ حضرت اس مرض کیلئے کوئی دوا بتلا دیجئے اُنہوں نے فرمایا کہ اسکی صرف ایک دوا ہے اور وہی دوا بتلائی جو حضرت مولانا نے بتلائی تھی یہ خواب مولانا سے

بیان کیا گیا مولانا نے پوچھا کہ حافظ جی دیکھو میں ابھی نہ تھا تو حافظ جی کیا کہتے ہیں ہاں حضرت آواز تو ایسی ہی تھی مولانا نے فرمایا بھائی جب تم نے جاگتے میں میرا کہنا نہ مانا۔ آخر میں نے سوتے میں بتلایا تو دیکھیے مولانا کے ارشاد کی قدر اسی لیے نہ ہوئی کہ بظاہر وہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی تھی۔ پس آجکل کچھ مذاق ایسا بدل گیا ہے کہ معمولی اور آسان باتوں کی قدر نہیں کرتے نہ ایسی باتوں کو ضروری سمجھتے ہیں بس اُسی بات کی قدر ہوتی ہے جسمیں مصیبت جھیلنا پڑے۔ چنانچہ مشائخ میں سے بھی لوگ اُسی شیخ کی قدر کرتے ہیں جو مجاہدات زیادہ بتلائے کہ تہجد کبھی قضا نہ ہو چھ مہینے تک چلہ میں رہو کسی سے نہ ملو چاہے اُس کمبخت کی تمام ضروریات کا بیڑا ہو جائے مگر شیخ کو اسکی پروا نہ ہو تب تو وہ شیخ ہے اور اگر کوئی یہ بتلا دے کہ بھائی رات کو آنکھ نہ کھلتی ہو تو عشا کے بعد تہجد پڑھ لیا کرو اور اگر تنہائی کا موقعہ نہ ملے تو چلتے پھرتے ہی وظیفہ پورا کر لیا کرو اسکی بہت کم قدر ہوتی ہے یوں سمجھتے ہیں کہ اس شیخ کے یہاں تو کوئی نئی بات نہیں سب معمولی باتیں ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر ہنستے کھیلتے ہی گھر بس جاوے تو یہ کمال کی بات ہے یا نقصان کی اگر دو پیسے کی جڑی بوٹی میں سالہا سال کا روگ جاتا رہے جو دوسرے اطبا کے صدہا روپئے کے نسخوں میں بھی نہ گیا تھا تو یہ طبیب کا کمال ہے یا عیب۔ مگر جب لوگوں کا مذاق ہی بگڑ جائے تو اسکا کیا علاج وہی مثل ہے کہ اندھے کے آگے روئے اپنی آنکھیں کھوئے غرض انبیا علیہم السلام کی تعلیم کا یہی حال ہے کہ وہ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں اُنکی باتیں ظاہر میں معمولی ہی معلوم ہوتی ہیں مگر اُنکا فائدہ بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور اس سہل تعلیم کی بنا وفور شفقت ہے انبیا علیہم السلام کو اپنی امت سے محبت اور اُنکے حال پر شفقت بہت ہوتی ہے اسلئے اُنکی تعلیم نہایت آسان ہوتی ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو تعلیم دیا کرتا ہے سو دیکھیے ایک تعلق تو حاکم کو اپنی رعایا سے ہوتا ہے اور ایک تعلق باپ کو اولاد سے ہوتا ہے کیا دونوں تعلق یکساں ہیں ہرگز نہیں حاکم بوجہ حکومت کے بے تکلف فرمائش کر دیتا ہے کہ فلاں کام کرو فلاں کام مت کرو۔ اسکو حاکم ہونیکی حیثیت سے اسکی پروا نہیں ہوتی کہ رعایا کو اسکام کے کرنے میں مشقت ہوگی یا سہولت نہ وہ اسکی فکر کرتا ہے کہ اسکام کے آسان ہونیکا طریقہ رعایا کو بتلاوے کیونکہ حاکم ہونیکا یہ مقتضیٰ ہی نہیں اُسکو تو حکم دیدینا آتا ہے اگر کسی نے اسکی تعمیل کی فبہا ورنہ خلاف ورزی قانون کی دفعہ قائم کر کے اُسپر جرمانہ یا سزا کر دیگا۔ تو بات کیا ہے بات صرف یہ ہے کہ حاکم کو اسکی فکر نہیں ہوتی کہ جو کچھ میں حکم دے رہا ہوں رعایا اسپر

عمل کر رہی ہے بلکہ بعض دفعہ کسی شخص کو زیادہ ملزم بنانیکے لئے اور اُس پر حجت قائم کرنیکیلئے اسکا قصد کیا کرتا ہے کہ یہ شخص اس حکم پر عمل نکرے تو اچھا ہے تاکہ میں اسکو سزا دے سکوں اس صورت میں وہ قصداً ایسا سخت حکم دیتا ہے جو اس سے ہو ہی نہ سکے لیکن باپ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ بے تکلف بیٹے کو جو چاہے حکم دیدے خواہ وہ اُس سے ہو سکے یا نہ ہو سکے ہرگز نہیں بلکہ باپ جو کچھ حکم دینا چاہے گا اول اُسکے کہنے کیلئے وقت ایسا تجویز کریگا جبکہ بیٹے کو فرصت ہو باپ کا کام بتلانا اُسے ناگوار نہو پھر وہ جو کچھ کہیگا بیٹے کی ہمت کے موافق کہے گا اور اسکے بعد بھی اُس سے یہ کہدیگا کہ اس کام کو اس طریقہ سے کرنا اسمیں سہولت ہوگی اور پھر خود بھی اُسمیں اعانت کریگا بیٹے کا ہاتھ بٹا دیگا اسکی وجہ کیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ باپ چاہتا یہ ہے کہ بیٹا اس کام کو کرے اسمیں اُسکا نفع ہے باپ کبھی ایک کام بتلا کر یہ نہیں چاہتا کہ بیٹا اسکام کو نکرے تو اچھا ہے تاکہ میں اُسکو خوب مار سکوں اب آپکو معلوم ہو گیا کہ حاکم اور باپ میں کتنا فرق ہے تو انبیاء علیہم السلام کو امت سے حاکمانہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ اُنکو ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا باپ کو اولاد سے ہوتا ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ کیونکہ باپ کو اولاد کی محبت و شفقت محض اسلئے ہے کہ اولاد کا جسم باپ کے ذریعہ سے پرورش ہوا ہے لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام امت کی ارواح کو پرورش کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جسمانی تربیت سے روحانی تربیت بڑھی ہوئی ہے اور جو لوگ روحانی تربیت کرنیوالے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ بعض دفعہ شیخ کو کسی مرید سے ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اپنی اولاد سے بھی ویسا تعلق نہیں ہوتا اور اسی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعض مریدین کو شیخ سے ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ باپ سے اُسکا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا چنانچہ اسکا مشاہدہ ہو چکا ہے گو آجکل اس تعلق میں بہت کمی ہو گئی ہے کیونکہ آجکل آزادی کا زمانہ ہے ہر شخص آزاد ہو گیا ہے اس آزادی کا اثر اس طبقہ میں بھی کسیقدر ہو چلا ہے مگر تاہم اسمیں شک نہیں کہ روحانی تربیت میں بھی مربی کو وہی شفقت ہوتی ہے جو جسمانی تربیت کیوجہ سے باپ کو ہوتی ہے بلکہ روحانی مربی کو اس سے بھی زیادہ شفقت ہوتی ہے۔ باپ جو کام کرتا ہے وہ تو حیوانات بھی کرتے ہیں وہ بھی اپنی اولاد کو پرورش کرتے ہیں اُنکو بھی اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے لیکن روحانی مربی وہ کام کرتا ہے جو کسی باپ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ انسان کی روح کو خدا تعالے سے ملا دیتا ہے اُسکو عارف و واصل بنا دیتا ہے پھر اس پاکیزہ تربیت میں طرفین سے جسقدر بھی تعلق ہو

تھوڑا ہے۔ اسلئے انبیاء علیہم السلام عموماً اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق ہوتے ہیں پھر ان میں سے بھی بالخصوص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپکو تو اپنی امت سے بہت ہی تعلق تھا بخدا آپسے زیادہ کوئی بھی شفیق نہیں البتہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں پر آپسے بھی زیادہ شفقت ہے بلکہ خود حضرات انبیاء علیہ السلام کی شفقت اسی شفقت آلہیہ کا ظل ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تعلیم نہایت سہل ہے اور انبیاء علیہ السلام کی تعلیم بھی اسی واسطے سہل ہے کہ انمیں شفقت خداوندی کی جھلک موجود ہے۔ دیکھئے ایک جگہ حق تعالے کو اعمال صالحہ کا امر فرمانا منظور تھا مگر اسکو کس شفقت کے عنوان سے شروع فرمایا ہے ارشاد فرماتے ہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ؕ مقصود تو اشکروا للہ تھا اور شکر سے مراد عبادت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ اسکی عبادت کیجائے مگر اس حکم سے پہلے فرماتے ہیں کلوا من طیبٰت ما رزقنٰکم یعنی اے مسلمانو ہمنے تمکو جو کچھ پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں انکو کھاؤ پیو۔ اسکے بعد فرماتے ہیں واشکروا للہ یعنی اور ان نعمتونکو کھا پی کر خدا کا شکر بھی کیا کرو۔ تو دیکھئے بلا تشبیہ یہ ایسی ہی صورت ہے جیسے باپ کو یہ منظور ہو کہ بیٹے کا سبق سنے تو وہ اسکو بلا کر کہتا ہے کہ آو بیٹا یہ لڈو مٹھائی کھالو ہم تمہارے واسطے لائے ہیں پھر مٹھائی دیکر کہتا ہے کہ اچھا سبق تو سناو ہم تمہیں پھر بھی مٹھائی دیں گے وہی صورت یہاں ہے کہ پہلے تو پاکیزہ نعمتونکے کھانیکا حکم فرمایا پھر عبادت کا حکم فرمایا اور عبادت کے بعد پھر بھی مٹھائی دینے کا وعدہ ہے وہ کیا جنت۔ سبحان اللہ اس شفقت کی بھی کچھ انتہا ہی باپ کو تو بیٹے کے سبق سنانیسے کچھ اپنی غرض بھی مد نظر ہوتی ہے وہ یہ امید کرتا ہے کہ لڑکا لائق فائق ہو جائیگا تو کچھ کمانے لگے گا اور بڑھاپے میں میرے کام آئیگا۔ میری خدمت کریگا مگر حق تعالے کو ہماری عبادت سے کچھ بھی غرض نہیں عبادت کا جو کچھ نفع ہے ہمکو ہی ہے اور اگر عبادت نکریں تو نقصان بھی ہمارا ہی ہے تمام مخلوق اگر عابد زاہد ہو جاے تو خدا کی سلطنت وعظمت میں اس سے کچھ زیادتی نہیں ہوتی اور اگر سارے سرکش ہو جائیں تو اسکی عظمت میں کچھ کمی نہیں آتی۔ پس حق تعالیٰ کو انسان کی ساتھ جسقدر شفقت ہے وہ محض بیغرض ہی ہے پھر حق تعالیٰ حاکم بھی ہیں حاکم ہونیکی حیثیت سے انکو اسکی کیا ضرورت تھی کہ اسطرح چمکار کر پھسلا کر حکم دیں اگر وہ حاکمانہ طریقہ پر حکم دیدیتے کہ ہماری عبادت کرو ورنہ تمکو جیل خانہ میں بھیجدینگے تو اس سے انکو کون چیز مانع تھی پھر حاکم بھی ایسے نہیں جیسے دنیا کے حکام ہوتے ہیں

کہ بعض دفعہ سلاطین دنیا کو رعایا سے دبنا پڑتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اس عالم میں ہر شخص محتاج ہے سلاطین اپنی سلطنت کے بقا میں رعایا کے محتاج ہیں اگر رعایا آمادۂ بغاوت ہو جاوے تو انکی سلطنت کا خاتمہ ہو جاتا ہے لیکن حق تعالےٰ ایسا حاکم نہیں وہ تمام مخلوق سے مستغنی ہے اُسکی ایسی سلطنت ہے کہ ایک ذرہ اُسکی مشیت کے بغیر نہیں ہل سکتا اور اگر تمام عالم آمادۂ بغاوت ہو جائے تو وہ ایک دم میں سبکو ہلاک کر کے دوسری مخلوق کو پیدا کر سکتا ہے اور اُسکو اسکی بھی ضرورت نہیں وہ اگر چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ سرکشی کر سکے چنانچہ ملائکہ کی یہی شان ہے کہ وہ کسی وقت سرکشی نہیں کر سکتے اُسنے بعض حکمتوں کی وجہ سے انسانوں کو نافرمانی اور اطاعت دونوں کا اختیار اور قدرت دیدی ہے لیکن اگر وہ چاہے تو اس قدرت کو سلب کر سکتا ہے اور سارے ہی سرکشی ۔۔ ہو جائیں تو ملائکہ انسان سے بہت زیادہ ہیں وہ اُسکی اطاعت بجالاتے ہیں اور اگر کوئی بھی مطیع نہو تب بھی اُسکا کچھ ضرر نہیں اُسکے تمام کمالات ذاتی ہیں کسی کی اطاعت و نافرمانی کا اُسپر کچھ بھی اثر نہیں پس حق تعالےٰ ایسے غنی ہیں کہ اُن سے زیادہ کوئی غنی نہیں مگر باوجود اس غناء کے اسدرجہ شفقت ہے کہ باپ ماں کو بھی اولاد سے وہ شفقت نہیں جو حق تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے ہے کیونکہ باپ کو اولاد سے اضطراری شفقت و محبت ہے اور حق تعالیٰ اضطرار سے پاک ہے اُسکو جو کچھ شفقت و رحمت ہے محض اختیاری ہے وہ خود چاہتے ہیں کہ مخلوق پر شفقت کریں اور باپ ماں کے چاہنے میں اونکے اختیار کو کچھ بھی دخل نہیں وہ مجبور ہو کر شفقت کرتے ہیں پس ایسے غناء کامل کیساتھ ایسی کامل شفقت عجائب میں سے ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ یعنی حق تعالیٰ تمکو عذاب کر کے کیا کریں گے اگر تم خدا کا شکر کرو یعنی ایمان (کامل) اختیار کرو۔ سبحان اللہ! اس آیت میں یہ لفظ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اس قابل ہے کہ اسپر جان قربان کر دی جائے فرماتے ہیں کہ ہمکو تمہارے عذاب کرنے میں کیا نفع ہے ہم تو تمپر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں مگر تم نافرمانی کر کے خود ہی عذاب کو مول لیتے ہو تو اس عنوان سے کسدرجہ شفقت ٹپکتی ہے یہاں ایک ضروری تنبیہ بطور جملہ معترضہ کے ہے کہ بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ حق تعالےٰ کو مخلوق سے بے پروا بمعنی بے توجہ سمجھتے ہیں اور اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے غناء کا ترجمہ غلط سمجھا۔ اسمیں تو شک نہیں کہ غناء حق تعالیٰ کی صفت یقیناً ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط لیکن لوگ

یہ غلطی کرتے ہیں کہ ان آیات میں مستغنی کے معنی وہ مراد لیتے ہیں جو ہمارے محاورہ میں مستعمل ہیں کہ ہمارے محاورہ میں مستغنی اُسکو بھی کہتے ہیں جو دوسروں سے بالکل بے پروا ہو کسی کے نفع نقصان کی اُسے رعایت نہو حالانکہ مستغنی کے معنی آیات میں صرف یہ ہیں کہ حق تعالےٰ کو کسی کی احتیاج نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ پس محتاج نہونا اور بات ہے اور بے پروا ہونا اور رعایت مصالح نہ کرنا دوسری بات ہے غنا جو حق تعالیٰ کی صفت ہے اُسکے معنی عدم احتیاج کے ہیں۔ اور یہاں سے آپکو معلوم ہوگیا ہوگا کہ آجکل جو لوگ محض ترجمے دیکھکر محقق بنجاتے ہیں وہ کیسا ستم ڈہاتے ہیں پھر غضب یہ کہ یہ لوگ ترجمے دیکھکر محققین سے مزاحمت کرتے ہیں اور معارضہ میں کہتے ہیں کہ صاحب مشارق الانوار میں تو یہ لکھا ہے مظاہر حق میں یہ لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ اُسمیں وہی لکھا ہے جو محقق بیان کرتا ہے مگر تم ترجمہ دیکھکر اُسکی حقیقت کو نہیں سمجھے بس اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کتابیں دیکھ دیکھکر طبیب حاذق کے نسخہ میں مزاحمت کرنے لگے اُسکو یہی جوابدیا جائیگا کہ تمنے صرف کتابیں دیکھی ہیں مگر فن کی حقیقت تمکو معلوم نہیں اسلئے طبیب کی رائے میں تمکو دخل دینے کا کوئی حق نہیں اسیطرح جو لوگ محض ترجمے پڑہکر محققین سے مزاحمت کرتے ہیں وہ بھی اسی جوابکے مستحق ہیں چنانچہ ان لوگوں نے غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ اور وَاسْتَغْنَی اللّٰہُ کا ترجمہ دیکھکر اتنی بات سمجھی کہ حق تعالیٰ مستغنی ہیں مگر اسکی حقیقت اُنکو معلوم نہیں ہوئی وہ یہ سمجھے کہ جسطرح ہمارے محاورہ میں کہدیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت ہی آزاد اور مستغنی المزاج ہے یعنی کسی کے نفع نقصان کی پروا نہیں کرتا یہی معنی خدا کے مستغنی ہونیکے بھی ہیں حالانکہ یہ معنی دوسری نصوص کے اور نیز دلایل عقلیہ کے بالکل خلاف ہیں اگر مستغنی ہونیکے یہ معنی ہیں تو ان نصوص کا کیا مطلب ہے جنمیں حق تعالیٰ کی شفقت و رحمت کا ذکر ہے کہ حق تعالےٰ کو اپنے بندوں پر ایسی شفقت ہے کہ ماں باپ کو بھی اولاد پر ایسی شفقت نہیں ہوسکتی تو یہ خرابی کاہے کی ہے یہ خرابی اسکی ہے کہ ان لوگوں نے لفظ تو عربی لیا۔ اور معنی اردو محاورہ کے موافق لئے۔ حالانکہ ہر لفظ کے معنی اُسی زبان کے موافق کرنے چاہئیں جس زبانکا وہ لفظ ہے مگر آجکل بکثرت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں چنانچہ وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ سے بعض لوگو نکو اشکال ہوتا ہے کہ اسمیں حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بھی مکر کیا اور خدا نے بھی مکر کیا اور خدا سب سے بہتر مکر کرنیوالا ہے۔ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو اس سے خدا کا نعوذ باللہ (مکار) ہونا لازم آتا ہے۔

تو منشا اس اشکال کا صرف یہی ہے کہ انہوں نے عربی لفظ کا ترجمہ اردو محاورہ کے موافق کیا اردو میں مکر کرنا فریب دینے کو کہتے ہیں جو کہ عیب کی صفت ہے اگر یہ لوگ اس عربی لفظ کا ترجمہ محاورہ عربیہ کے موافق کرتے تو اشکال کچھ بھی نہ تھا عربی میں مکر کے معنی تدبیر خفی کے بھی آتے ہیں اور تدبیر خفی کرنا یہ عیب نہیں بلکہ صفت کمال ہے ترجمہ آیت کا یہ ہوا کہ کافروں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کیواسطے مخفی تدبیر کی اور حق تعالےٰ نے انکے بچانیکے واسطے مخفی تدبیر کی اور حق تعالیٰ سب تدبیر کرنیوالوں میں بہتر ہے کہ کسی کی تدبیر اسکی تدبیر پر غالب نہیں آسکتی اس ترجمہ کے بعد کچھ بھی اشکال نہیں۔ اسیطرح ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھکو کچھ پوچھنا ہے مگر اول اس آیت کا ترجمہ کردو وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى میں نے کہا کہ اسکا ترجمہ یہ ہے اور پایا خدا نے آپکو ناواقف پس واقف بتلویا۔ سنکر میرا منہ دیکھنے لگے میں نے کہا کہ جو پوچھنا ہو پوچھئے کہنے لگے کہ ابتو کچھ بھی نہیں رہا میں نے کہا کہ کیا آپ مجھسے یہ امید کرتے تھے کہ میں اس جگہ ضالاً کا ترجمہ گمراہ سے کرونگا۔ بعض تراجم میں گمراہ سے ترجمہ کیا ہے جس سے لوگوں کو اشکال پڑجاتا ہے لیکن ان حضرات پر کوئی الزام نہیں ممکن ہے اسوقت گمراہ کے معنے ناواقف بھی مستعمل ہوتے ہوں جیسا کہ عربی میں ضلالت کے معنی غیبت اور فقدان کے بھی آتے ہیں چنانچہ کھوئی ہوئی چیز کو ضالہ کہتے ہیں جسکے معنی مفقود الخبر کے ہیں اسیطرح ضالّ کا اطلاق فاقد الخبر پر بھی آتا ہے جسکا ترجمہ ناواقف ہے لیکن اب فارسی و اردو کا محاورہ بدل گیا اب گمراہ اُسے کہتے ہیں جو باوجود راستہ جاننے کے ٹیڑھے راستہ پر چلے آجکل بیخبر اور ناواقف کو گمراہ نہیں کہتے اسلئے اب گمراہ سے ترجمہ کرنا صحیح نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت سے پہلے بعض علوم سے ناواقف ہونا کچھ عیب نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جو علوم نبوت کے بعد آپکو عطا ہوئے نبوت سے پہلے آپ اُنسے ناواقف تھے اگرچہ اسوقت بھی دنیا بھر کے عقلاء سے زیادہ آپ واقف کار تھے لیکن علوم قرآن و احکام سے تو خبردار نہ تھے یہ علم تو نبوت کے بعد ہی آپکو حاصل ہوا۔ اسی کو حق تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ
اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ
وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞

(ترجمہ) اور کسی بشر کی (بحالت موجودہ) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام فرماوے

مگر (تین طریق سے) یا توالہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ کو بھیجدے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہونچا دیتا ہے بیشک وہ بڑا عالی شان بڑی حکمت والا ہے اسیطرح (یعنی اسی قاعدہ کے موافق) ہمنے آپکے پاس (بھی) وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے (اور اسکے قبل) آپکو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (و معرفت کا اعلی درجہ جو کہ اب آپکو حاصل ہے وہ) کیا چیز ہے (گو نفس ایمان ہر نبی کو ہر وقت نبوت سے پہلے بھی حاصل ہوتا ہے) و لیکن ہمنے اس قرآن کو ایک نور بنایا جسکے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اسمیں شک نہیں کہ آپ (اس قرآن اور وحی کے ذریعہ سے عام لوگونکو) ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کرتے ہیں (سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵) پس وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں ضال کے معنی وہی ہیں جو اس آیت میں ما كنت تدری الخ سے معلوم ہوتا ہے یعنی خدا کی تعلیم و ہدایت سے پہلے آپ ان علوم سے بیخبر تھے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی نقص نہیں بلکہ عین کمال ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حق تعالے کے بتلائے بغیر پہلے انبیاء کو کچھ معلوم نہیں ہو سکتا نہ انکے پاس کمالات بدوں اعطاء الٰہی کے ہوتے ہیں گو ہمکو ایسا کہنا زیبا نہیں کہ انبیاء کے پاس کچھ کمالات نہ تھے کیونکہ اس سے ایہام بے ادبی کا ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ کے ذمہ تو حضور کا ادب لازم نہیں آپ تمام عالم کے سردار اور سب سے افضل ہیں مگر حق تعالیٰ کے تو بندے ہی ہیں اسلئے حق تعالے آپکو ناواقف اور بیخبر جو چاہیں کہہ سکتے ہیں تو دیکھئے اس سائل کو حقیقت نہ معلوم ہونیکی وجہ سے ووجدك ضالا فهدى میں اشکال پڑا کیونکہ اسنے ترجمہ میں گمراہ کا لفظ دیکھا اور اس سے وہ معنی سمجھا جو آجکل کے محاورہ میں گمراہ کے معنی ہیں اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ ترجمہ عوام کو خود نہ دیکھنا چاہئے بلکہ علماء سے پڑھنا چاہئے ورنہ ایسے ایسے اشکالات ترجمہ دیکھنے سے پیدا ہونگے جنکا جواب عوام کے ذہن میں نہ آئیگا۔ چنانچہ قرآن میں حق تعالے کی صفت استغناء کو دیکھکر بعض لوگ یہی سمجھے کہ حق تعالے ایسے مستغنی ہیں جیسے ہمارے محاورہ میں کسی کو مستغنی کہا کرتے ہیں حالانکہ استغناء کے معنی عربی میں یہ ہیں کہ اُسکو کسی کی حاجت نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور ہمارے محاورہ میں مستغنی اُسے بھی کہتے ہیں جسے کسی کے نفع و ضرر کی پروا نہو۔ اب لوگ غضب کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو بایں معنی بھی غنی سمجھتے ہیں چنانچہ ایسی مقام پر اس صفت کو استعمال کرتے ہیں جہاں سوا اسکے اور کچھ معنی ہو ہی نہیں سکتے

مثلاً کوئی شخص جوانی کی حالت میں مر جائے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائے اب لوگ اسکی تعزیت میں جاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ ہائے جوان موت مر گیا ابھی اسنے دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا دوسرے صاحب بولے کہ واقعی بہت ہی بیوقت موت آئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں انکی تعلیم و تربیت کا کون انتظام کریگا زمینداری اور ریاست کو کون دیکھے بھالے گا اسکے بعد تیسرا کہتا ہے کہ اری بھائی خدا کی ذات بڑی بے پروا ہے۔ وہ بڑا مستغنی ہے اب ایسے موقع پر اس کلام کے معنی سوا اسکے اور کیا ہیں کہ نعوذ باللہ خدا کو کسی کے نفع و ضرر کی پروا نہیں کسی کی مصلحت و حکمت پر نظر نہیں بس شاہ اودھ کیطرح بیوجہ حکم دیدیا کہ فلاں شخص کو مار ڈالو تو بچا نہ لگا دو مار شلاً جاری کر دو نہ اسکی بیوی کا خیال ہے نہ بچوں پر رحم ہے نعوذ باللہ منہ واللہ میرا تو اس سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے یہ سخت بے ادبی کا کلمہ ہے مگر لوگوں کو ذرا اسپر توجہ نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں صاحبو! خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ سے زیادہ کوئی رحیم و کریم نہیں انکی برابر کیسی کو شفقت نہیں ہو سکتی حدیث میں ہے کہ حق تعالےٰ نے رحمت کے سو حصے کئے ایک حصہ تو اسنے دنیا میں ظاہر کیا جسکا یہ اثر ہے کہ باپ ماں کو اولاد سے دوست کو دوست سے جانوروں کو اپنے بچوں سے محبت و شفقت ہوتی ہے اور ننانوے ۹۹ حصے خدا تعالےٰ کے پاس ہیں کہ انمیں سے مخلوق کو حصہ نہیں دیا اب آپ غور کریں کہ جس رحمت کے ایک حصہ کا یہ اثر ہے جو دنیا میں ہمکو نظر آرہا ہے کہ باپ ماں اسکی وجہ سے اپنے بچہ کی تکلیف کو نہیں دیکھ سکتے تو خدا تعالیٰ کی رحمت و شفقت کا کیا ٹھکانا ہے جسکی رحمت سے اسکو وہ نسبت ہے جو سو سے ایک کو حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالےٰ ننانوے حصوں کیساتھ اس ایک حصہ کو شامل کر کے سو حصہ رحمت سے مسلمانوں کیساتھ پیش آئیں گے بخدا اُس وقت ہم اُس رحمت کا اندازہ ہرگز نہیں کر سکتے یہ تو آخرت کی رحمت کا حال ہے رہی دنیا میں حق تعالےٰ کی رحمت سو اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دنیا میں جس کسی کے اندر رحمت کا کچھ اثر ہے یہ خدا کی رحمت کے اُس ایک حصہ کا ظل ہے جو اسنے دنیا میں ظاہر کی ہے تو خود اصل کی کیا حالت ہوگی پس دنیا میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت اسقدر بڑی ہے کہ مخلوق کی رحمت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ کیا یہ رحمت ہی نہیں کہ ہم لوگ راتدن گناہ اور نافرمانی میں مبتلا ہیں اور حق تعالیٰ ہمکو عذاب سے ہلاک نہیں فرماتے

بلکہ برابر اسباب حیات وسامان راحت عطا فرماتے رہتے ہیں چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور اگر حق تعالے لوگوں سے انکے افعال پر مواخذہ کرنے لگتے تو زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتے لیکن وہ انکو ایک میعاد معین تک ڈھیل دے رہا ہے۔ اسپر یہ اشکال نکیا جاوے کہ گناہ تو انسان وجن کرتے ہیں پھر اسکی کیا وجہ کہ مواخذہ کے وقت زمین پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑا جاتا۔ آخر حیوانات کی کیا خطا ہوتی وہ تو مکلف نہیں ہیں سو بات یہ ہے کہ مواخذہ کے وقت انسان وجن تو گناہوں کی وجہ سے ہلاک کئے جاتے اور حیوانات اسلئے ہلاک کئے جاتے کہ وہ محض مکلفین کی خدمت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں جب مکلفین باقی نہ رہتے تو حیوانات کی بقاء کی ضرورت نہ رہتی اسلئے سبھی ہلاک کردیے جاتے رہا یہ کہ بعض لوگ تو نیک کام کرتے ہیں وہ کیوں ہلاک ہوتے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں وہ بھی گناہوں سے بچے ہوئے نہیں ماسوے الانبیاء علیہم الصلوات والسلام پس یا تو وہ اس سے مخصوص ہیں یا یہ کہا جاوے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں تشریف رکھنا صرف ہدایت مکلفین کے لئے ہی جب یہ نہ رہتے تو یہ حضرات آخرت میں رہتے مگر یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ان گناہوں پر مواخذہ نہیں فرماتے تنبیہ کا مضمون ختم ہوا اصل مضمون یہ تھا کہ حق تعالے تعلیم میں بندوں پر بیحد شفقت کی رعایت فرماتے ہیں چنانچہ اسکی فرع یہ ہے کہ حق تعالے نے مخلوق کو ایسے کاموں کا مکلف نہیں بنایا جو انپر دشوار ہوں بلکہ بہت سہل سہل احکام مقرر فرماتے ہیں صاحبو! ہم چار روپے کے نوکر سے وہ کام لیتے ہیں جو حق تعالے فرباوجود اس تواتر نعم کے ہمسے نہیں لئے چار پانچ روپے ماہوار پر اگر آپ کسیکو نوکر رکھیں تو وہ تمام دن کیلئے آپکا پابند ہو جاتا ہے اور دن بھر جو چاہیں آپ اس سے کام لیتے ہیں کسی کام سے انکار کا اسکو حق نہیں ہوتا اور حق تعالے نے آپکو دن رات میں پانچ نمازوں کا مکلف کیا ہے جنمیں مجموعی طور پر ایک گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں ہوتا پھر یہ بھی حقیقت میں تمہارا ہی کام ہے خدا کا کام نہیں وہ ہماری نمازوں سے مستغنی ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

ما بری از پاک وناپاکی ہمہ   وز گراں جانی وچالاکی ہمہ

یعنی حق تعالی ناپاکی سے تو پاک ہیں ہی وہ ہماری بیان کی ہوئی پاکی سے بھی پاک ہیں یعنی سبحان اللہ والحمد للہ میں جو تم کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ پاک ہیں تو وہ تمہاری

اس پاکی بیان کرنیسے بھی پاک ہیں کیونکہ خدا تعالےٰ کی پاکی ہمارے ذہن میں بھی نہیں آسکتی بس اس صورت میں ہماری تنزیہ کی یہ کیفیت ہوگی کہ ؎

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست — این نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

یعنی ہم جو خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کی تعریف میں یہ کہے کہ وہ جولاہا نہیں ہے ظاہر ہے کہ اس تعریف کو بادشاہ کی تعظیم سے کچھ بھی نسبت نہیں بعینہ یہی مثال ہماری تسبیح و تحمید کی ہے حق تعالیٰ کی حقیقی پاکی ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی مگر باوجود اس کے حق تعالےٰ کی رحمت و شفقت ہے کہ ہماری طاعت و ذکر کو قبول فرمالیتے ہیں اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کی تعریف اسطرح کرنے لگے کہ حضور کی بہت بڑی شان ہے آپ نہ جولاہے ہیں نہ دُھنتے ہیں تو پھر دیکھو اسکی کیا گت بنتی ہے مگر حق تعالےٰ ہماری تسبیح و تحمید کو قبول فرمالیتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایسی ہی تعریف ہے بس ہمارے ذکر و طاعت کی قبولیت کی یہ مثال ہے جسکو مولانا فرماتے ہیں ؎

این قبول ذکر تو از رحمت است — چوں نماز مستحاضہ رخصت است

یعنی جیسے مستحاضہ عورت جسکو ہر وقت خون آتا رہتا ہے شریعت نے اسکو معذور سمجھکر حکم دیا ہے کہ اسی حال میں نماز پڑھتی رہے خون ٹپک رہا ہے کپڑے اور بدن ناپاک ہے مگر اس حالت میں بھی اسکو دربار میں آنیکی اجازت ہے کچھ ٹھکانا ہے شفقت کا۔ بس یہی مثال ہمارے ذکر و طاعت کی ہے کہ ہم باطنی ناپاکیوں میں ملوث ہیں مگر رحمت کیوجہ سے قبول فرمالیتے ہیں۔ ایسی شفقت ہے کہ کوئی کیسا ہی گنہگار ہو مگر ہر وقت اسکو دربار میں آنیکی اجازت ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اگر دن میں سو مرتبہ گناہ کرے اور پھر توبہ کرنا چاہے تب بھی اسکو اجازت ہے کہ دربار میں آجائے اور توبہ کرکے پاک و صاف ہو جائے۔ دنیا میں کسی حاکم کی بلکہ اپنے باپ کی بھی ایک بار سرکشی کرکے پھر منہ دکھانیکے قابل نہیں رہتے مگر وہاں سو بار ہزار بار سرکشی کرنیکے بعد بھی فرماتے ہیں کہ آجاؤ ہم سب معاف کردینگے۔ اسقدر استغنا کیساتھ یہ شفقت نہایت عجیب ہے۔ چنانچہ آیت بالا میں اشکروا للہ سے پہلے کلوا من طیبات

مما رزقنا کہہ فرمانا یہ بھی اوسی شفقت سے نامی ہے پھر اسمیں دوسری شفقت یہ ہے کہ عبادت کو شکر سے تعبیر کیا اعبدوا اللہ نہیں فرمایا بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ہمنے آخر تمپر بہت انعامات کیئے ہیں تمہارے لیئے پاکیزہ نعمتیں کہانے پینے کو پیدا کی ہیں تم ہماری نعمتوں میں سر تا پا غرق ہو گیا اسکی قدر ضروری نہیں کیا نعمت کا شکر لازم نہیں یہ ایسا عنوان ہے جسکو ہر شخص فوراً تسلیم کر لیتا ہے کیونکہ نعمت کا شکر ادا کرنا عقلاً ہر شخص کے نزدیک ضروری ہے حق تعالے کو یہ بھی حق تھا کہ ہمکو صاف صاف فرما دیتے کہ تمکو ہماری عبادت کرنا چاہیئے مگر غایت شفقت کیوجہ سے یہ عنوان اختیار فرمایا کہ تمہارے اوپر ہمارے بہت سے انعامات ہیں اُنکے شکریہ میں کچھ ہمارا بھی کام کر لو۔ پھر تیسری شفقت یہ ہے کہ حقیقت میں عبادت کرنا ہمارے ہی واسطے نافع ہے خدا کو اسکی کچھ ضرورت نہیں پس واقع میں وہ ہمارا ہی کام ہے مگر شفقت کیوجہ سے اُسکو اپنا کام کہدیا۔ جیسے باپ بیٹے سے کہا کرتا ہے کہ ہم تمکو مٹھائی دینگے تم ہمارا ایک کام کر دو وہ یہ کہ سبق سنا دو۔ حالانکہ سبق سنانا اُسی کا کام ہے اُسی کے نفع کی چیز ہے۔ غرض حق تعالی کی تعلیم کے سہل ہونیکی لم یہ ہے کہ انکو اپنے بندوں کے حال پر شفقت بہت زیادہ ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام میں بھی شفقت اسطرح جھلک رہی ہے جیسے آئینہ میں نور آفتاب جھلکتا ہے اسلئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم بھی بہت سہل ہوتی ہے انبیاء کی بالکل ایسی مثال ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند   آنچہ استاد ازل گفت بگو می گویم

پھر انبیاء میں جو سب سے اکمل ہیں انمیں ظہور صفات بھی اکمل ہوتا ہے اسی لئے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں شفقت و سہولت سب سے کامل ہے اور منافع بھی آپکی تعلیم میں بہ نسبت دوسروں کی تعلیم کے زیادہ ہیں چنانچہ اسوقت جو ارشاد حضور کا میں نے بیان کے لئے اختیار کیا ہے وہ بظاہر ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اُسکے بجالانے میں جو منافع ہیں اور ترک میں جو مضار ہیں اُنکو معلوم کر کے اسکی ضرورت و اہمیت ظاہر ہو گی پھر جب اسپر نظر کیجائے گی کہ ہم لوگ اسکی طرف کسقدر (اہمیت) بے التفاتی برت رہے ہیں تو اس سے اُسکی ضرورت اور زیادہ مؤکد ہو جائیگی۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ ہم لوگ جن گناہوں کو چھوڑے ہوئے ہیں اُنمیں بعض تو اسلئے متروک ہیں کہ وہ ہماری وضع کے خلاف ہیں مثلاً چوری کرنا۔ زنا کاری کرنا۔ غضب کرنا۔

یہ ایسے کام ہیں جو محض اپنی شریفانہ وضع کی بدولت سے اکثر لوگ نہیں کرتے۔ اور جو کام ہماری وضع کی خلاف نہیں گو شرعاً انکا ارتکاب کتنا ہی گناہ عظیم ہو اُنمیں اکثر لوگ مبتلا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اندر بعض گناہ ہونیکے نہ ہونیکا سبب خوف خدا نہیں ہے اور جو لوگ خوف خدا کیوجہ سے بھی گناہ چھوڑتے ہیں وہ بھی اکثر سب گناہوں کو نہیں چھوڑتے بس وہ نماز پڑھ لیں گے زکوٰۃ دیدیں گے تو اپنے نزدیک جنید ہو گئے۔ اور حج کر لیا تو جنید کے بھی پیر ہو گئے بس انہوں نے انہی اعمال کو ضروری سمجھ لیا ہے باقی اعمال کی انکو پروا ہی نہیں۔ دل میں کبر و ریا بھری ہوئی ہے رضا بالقضا نہیں ہے خدا کیساتھ محبت نہیں معرفت نہیں جاہ طلبی و حسد دل میں موجود ہے مگر وہ بیفکر ہیں حالانکہ حکم یہ ہے وذروا ظاہر الاثم وباطنہ کہ ظاہری اور باطنی سب گناہوں کو چھوڑ دو۔ یہ لوگ محض ظاہر کو سنوارتے ہیں باطن کی اصلاح کا اہتمام نہیں کرتے بس وہ حال ہے ؎

از بروں طعنہ زنی بر بایزید و ز درونت ننگ میدارد یزید

از بروں چوں گور کافر پُر حلل و اندرون قہر خدائے عزوجل

بس ہماری وہی حالت ہے کہ اوپر سے اپنے آپکو سنوار رکھا ہے اور کپڑا اٹھا کر دیکھو تو گو در گو ہو رہے ہیں ایک بزرگ نے ایک جوان کو دیکھا کہ اکڑ کر چل رہا ہے آپنے اُسکو ٹوکا کہ ذرا سنبھل کر چلو وہ کہنے لگا کہ تم جانتے نہیں ہم کون ہیں فرمایا ہاں میں خوب جانتا ہوں کہنے لگا بتلاؤ تم کیا جانتے ہو آپنے فرمایا اولک نطفۃ مذرۃ و آخرک جیفۃ قذرۃ و انت بین ذلک تحمل العذرۃ۔ کہ تمہاری ابتدا تو ایک ناپاک نطفہ ہے اور تمہاری انتہا سڑی ہوئی لاش ہے کہ مرنیکے بعد تمہارے اندر ہزاروں کیڑے پڑ جاوینگے اور وہ لاش میں ایسی بدبو آوے گی کہ کوئی پاس بھی نہ پھٹک سکے گا اسی لئے شریعت نے حکم دیا ہے کہ مر جانیکے بعد دفن میں جلدی کرو شریعت کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان مردہ کو ایسی حالت میں اپنے سے جدا کیا جائے کہ کوئی بات موجب نفرت کے اُسکے اندر نہ پیدا ہو۔ دیر کرنے میں اندیشہ ہے کہ لاش پھول جائے اُسمیں سے بدبو آنے لگے اور اس حالت کو دیکھکر لوگ اُسکو حقارت سے دیکھیں اور نفرت ظاہر کرنے لگیں تو یہ اکرام میت کے منافی ہے غرض یہ ہماری انتہائی حالت ہے جسمیں بڑے سے بڑا عاشق بھی ہماری لاش کو

جلدی دفن کر دینا ہی چاہے گا۔ اور درمیانی حالت یہ ہے کہ تم ہر وقت گوہ کا ٹوکرا ساتھ
ساتھ لئے پھرتے ہو۔ کیونکہ تمہارے پیٹ کے اندر نہ معلوم کتنے سیر پاخانہ بھرا ہوا ہے یہ
خدا کی رحمت ہے کہ اُسنے پیٹ کو ڈھکا ڈھول بنا دیا ہے کہ اُسمیں پاخانہ بھرا ہوا ہے
مگر پاس بیٹھنے والونکو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ واقعی اگر امعاء میں قوت ماسکہ نہ ہوتی
جسکی وجہ سے وہ پاخانہ کو روکے رہتی ہے اور ایک معین وقت میں ساریکو باہر نکالدیتی ہے
تو ہماری کیسی بُری گت بنتی بس ہر وقت موری سے پاخانہ بہا کرتا۔ چنانچہ جب کسی
مرض یا بڑھاپے کیوجہ سے یہ قوت ماسکہ کمزور ہوجاتی ہے تو اس شخص کے تیمار دار بھی
گھبرا جاتے ہیں سارا گھر بدبو سے سڑ جاتا ہے۔ سارے گھر میں ایک موری کیوجہ سے
سڑاہند پھیل جاتی ہے تو یہ خدا تعالے کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ اُسنے امعاء میں قوت
ماسکہ رکھدی ورنہ ہر وقت نجاست بہا کرتی۔ پھر دیکھو انسان کے بدن میں ہزاروں
مسامات ہیں جیسے پسینہ نکلتا ہے یہ خدا کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ان مسامات سے
پاخانہ کا عرق کبھی باہر نہیں آتا اگر مسامات سے پاخانہ نکلا کرتا تو زندگی موت ہوجاتی تو
محض خدا کی رحمت کی وجہ سے آپ بنے ٹھنے پھرتے ہیں ورنہ میاں تکے اندر اتنا پاخانہ بھرا
ہوا ہے کہ اگر وہ ہر وقت نکلنے لگے اُسوقت اس زینت و آرائش کی ساری مٹی پلید
ہوجاوے۔ غرض اُن بزرگ نے خوب جواب دیا کہ ہاں میں جانتا ہوں تو کون ہے بس
تیری حقیقت تو یہ ہے آگے خدا کی ستاری ہے کہ اُسنے تیرے پیٹ کو ڈھکا ڈھول بنا دیا ہے
تو کیا اس نعمت کا یہی شکریہ ہے کہ تو فرعون کیطرح اکڑ کر چلے۔ صاحبو! جسطرح ہمارا
ظاہر ناپاک ہے مگر خدا کی رحمت سے وہ پاک معلوم ہو رہا ہے اسیطرح ہمارا باطن بھی
ناپاک ہے جسکی اطلاع خدا ہی کو ہے یا ہمکو ہے دوسرونکو کچھ خبر نہیں کہ ہمارے دل میں
کیا کیا گندگی بھری ہوئی ہے بخدا اگر دلوں کی گندگی کی بدبو محسوس ہونے لگے تو دلوں
پاخانہ کی بدبو کی اُسکے سامنے کچھ بھی حقیقت نہ ہے اور جن لوگونکو محسوس ہوتی ہے وہ
ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بھی رحمت الٰہی ہے کہ اس گندگی کی بدبو ہر اک کو محسوس
نہیں ہوتی جس سے لوگ اپنے آپ کو پاک و صاف اور ستھرا سمجھنے لگے۔ صاحبو! ہمکو
زکام ہو رہا ہے اسلئے یہ بدبو محسوس نہیں ہوتی کسی صحیح الدماغ کو اپنا حال دکھلاؤ وہ
بتلائیگا کہ تمہارے دل میں کسقدر گندگی ہے جسکی بدبو سے اُسکا دماغ پریشان ہوگیا۔

کوئی مولانا یا کوئی شیخ اسپر مغرور نہوں کہ لوگ ہمکو اچھا سمجھتے ہیں ہماری تعظیم و تکریم کرتے ہیں تو ہم واقع میں بھی ایسے ہی ہیں۔ یقیناً دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مخلوق کو دہوکہ دے رہے ہیں کہ لوگ اُنکے ظاہری طرز اور عبادت و مجاہدات کیوجہ سے اُنکو بزرگ سمجھنے لگے دل کی کسی کو خبر نہیں کہ یہ سارا ڈہونگ ہی ڈہونگ ہے یا کچھ اخلاص بھی ہے مگر یاد رکہو خدا کے سامنے یہ دہوکہ نہ چل سکے گا مولانا فرماتے ہیں ؎

اللہ اللہ می زنی از بہر نان	بے طمع پیش آ و اللہ را بخواں
خلق را گیرم کہ بفریبی تمام	در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کارہا با خلق آری جملہ راست	با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
کار با او راست باید داشتن	رایت اخلاص و صدق افراشتن

از بہر نان پر مجھے یاد آیا کہ ایک مولوی کانپور میں آئے اُنکا کرتہ پھٹا ہوا نئے کرتہ کی ضرورت تھی آپنے کیا حکمت کی کہ ایک رئیس کے یہاں مولود پڑہنے گئے وہاں کسی شعر پر آپنے وجد ظاہر کیا اور کرتہ چہر چہر پھاڑ ڈالا اب اُس بیچارہ رئیس کو غیرت آئی کہ مولانا صاحب میرے گھر پر کرتہ پہنکر آئیں اور یہاں سے ننگے تشریف لیجاویں اُسنے فوراً نوکر کو بزاز کے یہاں بھیجا اور اُنکے واسطے ایک تہان منگایا فوراً کرتے قطع ہوے اور ایک کرتہ اُنکو پہنایا باقی کرتے بھی شاید اُنہی کے حوالے کر دیئے تھے اسکو مولانا فرماتے ہیں ؎ اللہ اللہ می زنی از بہر نان۔ یہی وجہ ہے کہ وعظ و پند میں اثر نہیں عوام بھی سمجھ گئے کہ یہ سارا وجد نیا کرتہ لینے کیواسطے تھا پھر ایسی حالت میں اُنپر کیا خاک اثر ہو غرض مخلوق کو بہت دہوکہ دیا جا رہا ہے ظاہر میں وجد و حال کی صورت بنائی جاتی ہے ہزار دانوں کی تسبیح ہاتھ میں رکھی جاتی ہے اور باطن میں ریا اور حب جاہ بھری ہوئی ہے مگر حق تعالےٰ کے یہاں یہ دہوکہ نہ چل سکیگا۔ لیکن اس سے وہ لوگ خوش نہوں جو کچھ بھی نہیں کرتے کہ ہم ریا سے محفوظ ہیں کیونکہ ہم ذکر ہی نہیں کرتے جو ریا پیدا ہو سو خوب سمجھ لو کہ تم اُنسے اچھے نہیں کیونکہ وہ ذکر تو کرتا ہے گو ریا ہی سے سہی اور تم تو اتنا بھی نہیں کرتے۔ ذکر اگر ریا سے بھی ہو تو چونکہ وہ ایک روز مبدل بہ اخلاص ہو جاتا ہے ایکدن اپنا کام کر جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ریا سے ذکر کرتا ہو تو اُسے حقیر نہ سمجھو کیونکہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی وہ اولاً ریا ہوتی ہے پھر کرتے کرتے

عادت ہو جاتی ہے اور عادت کے بعد پھر نہ اُسکو دکھلاوے کا خیال رہتا ہے نہ لوگوں کو وہ عمل نیا معلوم ہوتا ہے اسلیئے عادت سے عبادت ہو جاتی ہے پھر اوسمیں خلوص بھی پیدا ہو جاتا ہے ۔ سبحان اللہ واقعی یہ حضرات حکماء ہیں کسی نے افلاطون کو خواب میں دیکھا تھا اُس سے ارسطو اور جالینوس وغیرہ کے متعلق پوچھا کہ یہ لوگ فلسفی تھے کہا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں پھر جنید رح اور بایزید بسطامی رح وغیرہ کے متعلق پوچھا کہا اولئک ھم الفلاسفۃ حقا یعنی سچے فلسفی بھی لوگ ہیں واقعی حکمت اسلامی کے مقابلہ میں حکمت یونان کی حقیقت ہی کیا ہے کچھ بھی نہیں سچے فلسفی اور حکیم یہی لوگ ہیں یعنی صوفیہ کرام چنانچہ دیکھہ لیجیے حضرت حاجی صاحب نے ریا کے متعلق کیسا عجیب مضمون بیان فرمایا جس سے ریا کا علاج بہت ہی سہل ہو گیا کہ جس کام میں ریا کا خیال آتا ہو اُسکو بکثرت کرنا چاہیئے اور ریا کی پروا نکرنا چاہیئے البتہ عقلاً و عقیدۃً اُسکو برا سمجھتے رہنا چاہیئے پھر کرتے کرتے وہ خود ہی عادت اور عادت سے عبادت ہو جائیگی ۔ یہ ایسی حکمت ہے کہ حکماء یونان کو اسکی ہوا بھی نہیں لگی اسی کے مناسب یہ مضمون ہے کہ بعض لوگوں کو ذکر میں یہ شکایت پیش آتی ہے کہ ہمکو حضور قلب نصیب نہیں ہوتا وساوس و خطرات ہجوم کرتے ہیں اسکا بھی یہی علاج ہے کہ ذکر کرتے رہنا چاہیئے اول اول محض ذکر لسانی ہوتا ہے پھر کرتے کرتے حضور حاصل ہو جاتا ہے اسم سے مسمیٰ کیطرف انتقال خود بخود ہو جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

مست ولا یعقل نہ از جام ہو ۔۔۔ اے زہو قانع شدہ بر نام ہو

یہ تو شکایت ہے پھر اس سے اضراب کے طور پر فرماتے ہیں ؎

از صفت و ز نام چہ زاید خیال ۔۔۔ وان خیالت ہست دلال وصال

یعنی خدا کا نام لیتے لیتے اول ایک خیال قائم ہو جاتا ہے پھر وہی خیال وصال کا وسیلہ بنجاتا ہے ۔ صاحبو خدا کے نام سے اثر ضرور ہوتا ہے اور کیوں نہو جبکہ مٹھائی اور کھٹائی کا نام لینے سے منہ میں پانی بھر آتا ہے تو خدا کا نام کیا اس سے بھی کم ہو گیا ہرگز نہیں اُس سے بھی ضرور ایکدن دلپر اثر ہوگا ۔ کام میں لگا رہنا چاہیئے گھبرانا نچاہیئے کھٹائی کے نام سے منہ میں پانی بھر آنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی ایک بادشاہ نے شاہزادہ کو روزہ رکھوایا تھا اور روزہ کشائی کی رسم کیلئے بڑے پیمانہ پر دعوت کا انتظام کیا تھا

لڑکے نے شام تک تو صبر کیا لیکن عصر کے بعد اُس سے نہ رہا گیا مارے پیاس کے بیتاب ہو گیا اور مچلنا شروع کیا بادشاہ نے اطبا کو بلایا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اسکی پیاس کو بھی تسکین ہو جاوے اور روزہ بھی بچ جائے ورنہ سارا کیا کرایا سامان برباد ہو جائیگا سب اطبا اسکے علاج سے عاجز ہو گئے ایک غیر مشہور طبیب کی سمجھ میں ایک نسخہ آیا اُسنے عرض کیا کہ حضور میں اسکا علاج کرونگا آپ چند لڑکونکو بلائے اور تھوڑے سے لیموں منگا دیجئے چنانچہ فوراً انتظام کیا گیا اُسنے لڑکوں سے کہا کہ شاہزادہ کے سامنے لیموں کاٹکر کھانا شروع کرو بس لیموں کو کھاتے ہوے دیکھکر شاہزادیکے منہ میں رطوبت کے دریا پیدا ہو گئے طبیب نے کہا کہ اس رطوبت کو نگلنا شروع کرو۔ لعاب دہن کے نگلنے سے روزہ بھی نہیں ٹوٹتا اُسنے لعاب کو نگلنا شروع کیا بس پیاس کو فوراً تسکین ہو گئی بادشاہ اس تدبیر سے بہت خوش ہوا اور طبیب کو بہت کچھ انعام دیا۔ بس جب لیموں کے نام میں یہ خاصیت ہے تو خدا کے نام میں کیوں یہ خاصیت نہ ہوگی کہ اُس سے دل بھر آئے۔ الغرض ریا کا قصد تو کرنا چاہئے لیکن اگر ایکدن میں ریا زائل نہ ہو تو ذکر کو چھوڑنا بھی نہ چاہئے کرتے رہنا چاہئے رفتہ رفتہ ریا خود زائل ہو جائیگی وہ خدا کا نام تمکو انشاء اللہ خدا ہی تک پہونچا دیگا۔ نہونے سے ذکر کا ہونا بہر حال اچھا ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوئی شیخ صاحب یا مولانا صاحب مخلوق کی تعظیم و تکریم پر مغرور نہوں وہ یا تو مخلوق کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اگر کسی کا قصد دھوکہ دینے کا نہ بھی ہو تو خدا کی ستاری ہے کہ اُسنے ہمارے عیوب مخلوق سے چھپا دئیے اور محاسن ظاہر کر دیئے ہمارے اندر کبر ہے ریا ہے حسد ہے حُب جاہ ہے لیکن مخلوق کو خبر نہیں وہ ہمکو ان عیوب سے پاک سمجھتے ہیں اسلئے تعظیم و تکریم سے پیش آتے ہیں اگر لوگونکو ہمارے عیوب باطنیہ کی خبر ہو جائے تو سب سے پہلے وہ ہماری گت بنائیں پس اگر خدا کی ستاری سے ہمارے عیوب ظاہر نہوں تو ہمکو تو اپنا معتقد نہونا چاہئے غضب تو یہ ہے کہ لوگوں کی تعظیم و تکریم عقیدت سے ہم خود بھی اپنے معتقد ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم واقع میں کچھ ضرور ہیں جبھی تو ہمکو آدمی بڑا سمجھتے ہیں سو خوب سمجھ لو بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ۔ ہر شخص اپنی حالت کو دوسرے سے زیادہ جانتا ہے اور دوسرے اُسکی اندرونی حالت سے محض بیخبر ہوتے ہیں بس تعجب ہے کہ چند ناواقفوں کی تعظیم و تکریم سے تم واقف ہو کر اپنے معتقد بن گئے آجکل بکثرت یہی حالت ہے کہ باوجودیکہ باطن خراب گندہ ہے لیکن ظاہری تقوے کو

کافی سمجھا جاتا ہے اسکی طرف التفات بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے باطن میں کیا کیا گندگی بھری ہوئی ہے اسپر میں نے یہ شعر پڑھا تھا ؎

از بروں چون گور کافر پر حلل — واندروں قہر خدائے عز و جل

حاصل یہ کہ بعض منکر رذائل کے ازالہ کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا منجملہ اون ہی رذائل کے اشتغال بمالایعنی ہی ہے جسکی نسبت یہ ارشاد ہے یعنی من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ ۔ کہ غیر ضروری اور لایعنی امور کو ترک کردیں ۔ اسپر نہ مشائخ کو التفات ہے نہ غیر مشائخ کو سب غور کرکے دیکھ لیں کہ دن بھر میں کتنی باتیں فضول کرتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لایعنی امور کو ترک کردے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا حسن اسکے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو کیا اسلام کے حسن کی آپکو ضرورت نہیں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رح کے والد ہمیشہ نظر نیچی رکھتے تھے اگر کوئی اُنسے بات بھی کرتا تو نظر اُٹھا کر اُسکو نہ دیکھتے تھے سر نیچا کئے بات کا جواب دیدیتے تو لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ بات کا سننا کان کے متعلق ہے اور جواب دینا زبان کے متعلق ہے نگاہ کا اسمیں کچھ کام نہیں تو میں نے بیفائدہ اپنی نظر کو کیوں صرف کیا ۔ صاحبو ! جن لوگوں کو اپنے اسلام کے کامل کرنیکا خیال ہوتا ہے وہ تو لایعنی امور سے اتنی احتیاط کرتے ہیں کہ نظر کو بھی بیفائدہ نہیں صرف کرتے اور اسمیں جو نفع ہے اُسکو ابھی آپ نہیں سمجھ سکتے اسپر عمل کرکے دیکھئے کسقدر دل میں نور پیدا ہوتا ہے پھر آپکو محسوس ہوگا کہ بیفائدہ نظر کرنیسے کتنا ضرر ہوتا ہے غرض یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس سے غفلت سبکو ہے اور ایسی غفلت ہے کہ لایعنی امور کا ارتکاب کرکے ندامت بھی کسیکو نہیں ہوتی ۔ گناہ بھی لوگ کرتے ہیں مگر اُس سے ندامت تو ہوتی ہے چنانچہ غیبت کرکے سب پچھتاتے ہیں مگر ہنسی دل لگی کرکے کوئی نہیں پچھتاتا کہ ای اللہ میں نے فضول وقت ضائع کیا میری توبہ ہے ۔ اگر لایعنی امور سے ایسی احتیاط نہو سکے جیسی مولانا رفیع الدین صاحب کے والد کرتے تھے کہ وہ نظر کو بھی بیفائدہ صرف نکرتے تھے تو ایسا بھی تو نہونا چاہیئے کہ بالکل ہی دریدہ دہن ہو جاؤ کہ کسی وقت اس سے بچنے کا خیال ہی نہو اب سمجھو کہ لایعنی کسے کہتے ہیں ۔ افعال کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو نافع ہیں خواہ دنیا میں یا دین میں دوسرے وہ جو مضر ہیں دنیا میں یا آخرت میں تو جو امور نافع ہیں خواہ دنیا میں یا دین میں وہ تو ضروری ہیں انکے چھوڑنیکو میں نہیں کہتا ۔

(البتہ اتنی قید ضروری ہے کہ جو امور دنیا میں نافع ہوں شریعت سے اُنکی اجازت ہونی چاہیئے اگر اجازت نہوگی تو وہ دوسری قسم میں داخل ہو جائینگے جو کہ آخرت میں مضر ہیں کیونکہ ناجائز کام میں یہ ممکن ہے کہ دنیا کا نفع بظاہر معلوم ہوتا ہو مگر آخرت میں اس سے ضرر ہوگا عتاب و عذاب ہوگا لیکن جب ایک کام دنیا میں بھی نافع ہے اور شریعت سے بھی اُسکی اجازت ہے تو اُسکو ضرور کر لینا چاہیئے) مثلاً ہم ایک شخص سے سودا کر رہے ہیں اور اُسکو مال دکھلا رہے ہیں اور وہ ہمسے جھک جھک کرتا ہے اسمیں اگر ایک گھنٹہ بھی لگ جائے تو کچھ حرج نہیں یہ سب گفتگو ثواب میں داخل ہے بشرطیکہ جھوٹ اور فریب سے احتراز کیا جائے کیونکہ اگر ہم خریدار سے بات چیت نکریں اور اُسکو بار بار قسم قسم کا مال نہ دکھلائیں اور ایک چیز دکھلا کر ایکدفعہ قیمت بتلا کر خاموش ہو جائیں تو اسطرح تجارت نہیں چل سکتی اسلئے خریدار سے بات چیت کرنا ضروری ہے کیونکہ دنیا کیلئے نافع ہے اور اگر تجارت کی سوا ہماری اور کوئی آمدنی نہو تو دین کیواسطے بھی نافع ہے کہ کسب حلال کیلئے سعی ہو ضروری کی تفسیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں بعض لوگونکا خیال ہے کہ بس نماز روزہ ہی ضروری ہے اور کوئی چیز ضروری نہیں یہ خیال غلط ہے ضروری وہ ہے جسکے ترک میں ضرر ہو دنیا کا یا آخرت کا اس تفسیر کے مطابق خریدار سے بات چیت کرنا بھی ضروری ہے اگر تم اُس سے نہ بولوگے تو تجارت کو ضرر ہوگا اسوقت شریعت مقدسہ سکوت کی اجازت نہیں دیتی اگر اس مکالمت میں گھنٹہ دو گھنٹہ بھی لگجائے تو یہ مت سمجھنا کہ وقت ضائع ہوا اور دین کا نقصان ہوا ہرگز نہیں یہ سارا وقت ضروری کام میں صرف ہوا ہے اور اگر نیت اچھی ہے مثلاً یہ نیت ہے کہ ہم اس خریدار سے اسلئے گفتگو کرتے ہیں تاکہ یہ کوئی چیز خریدے تو ہمکو مال حاصل ہوگا جس سے اپنے اہل و عیال کا نفقہ ملیگا یا صدقہ خیرات کرینگے تو اس تمام وقت میں ثواب بھی ملا - یہ کتنی بڑی رحمت ہے یہانسے معلوم ہوا ہوگا کہ شریعت کو ہماری دنیا کی بھی کسقدر رعایت ہے پھر بھی لوگ شریعت کی قدر نہیں کرتے پس اگر تمکو تجارت کی ضرورت و حاجت ہو تو جبتک یہ امید رہے کہ خریدار کچھ نہ کچھ خریدیگا اُسوقت تک سودا کرنے میں کچھ بھی حرج نہیں چاہے کتنا ہی وقت صرف ہو جائے یہ سب ضرورت میں داخل ہے لایعنی نہیں ہے - اسیطرح ایک شخص غریب ہے سر پر امرودوں کا ٹوکرا رکھے ہوئے بیچتا پھرتا ہے وہ اگر تمام دن لیلو امرود کی صدا لگاتا پھرے تو اسمیں بھی کچھ حرج نہیں

اُسکا سارا وقت ضروری کام میں صرف ہوا اور اُسکے دن بھر لیلو امرود کہنے میں رہی تو ایسا جو دن بھر اللہ اللہ کرنے میں ثواب ہے بلکہ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ لیلو امرود کہنے میں خدا کا ذکر نہیں ہوتا لاؤ اسکے بجائے سبحان خالق الکمثری کہا کروں تو فقہاء نے اسکو ناجائز لکھا ہے کیونکہ اسمیں خدا کے نام کو دنیا کیواسطے استعمال کرنا ہے جس سے خدا کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے اس شخص کو لیلو امرود کہنے ہی میں ثواب ہے اور سبحان خالق الکمثری کہنے میں کراہت ہے۔ اسیطرح اگر کوئی شخص پہرہ دینے کا ملازم ہے وہ رات بھر جاگو جاگو کہتا رہے تو اُسکے جاگو جاگو کہنے میں کوئی ضرر نہیں یہ بھی ضروری کام میں داخل ہے اس سے دل کا نور کچھ بھی کم نہوگا اور اگر وہ بجائے جاگو کے لا الہ الا اللہ زور سے کہتا پھرے اور یہ سمجھے کہ جاگو کہنے میں خدا کا ذکر نہیں ہوتا لاؤ ایسا لفظ پکاریں جسمیں خدا کا ذکر بھی ہو جاوے اور پہرہ بھی ہو جاوے تو فقہاء نے اسکو مکروہ لکھا ہے اور وجہ وہی ہے کہ اسنے خدا کے نام کو دنیا کیواسطے استعمال کیا۔ واقعی فقہاء دین کو خوب سمجھتے ہیں بظاہر تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ پکار کر پہرہ دیا جائے مگر فقہاء نے اسکی علت کو سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جاگو جاگو کہنے میں اسکو ثواب ملے گا اور ذکر کیساتھ پہرہ دینے میں گناہ ہوگا۔ اسیطرح راستوں پر بیٹھکر قرآن پڑھنا اس نیت سے کہ کوئی ہمکو حاجتمند سمجھکر کچھ دیدیگا بالکل حرام ہے اگر کوئی حاجتمند زیادہ ہو اور اُسکو مانگنا جائز ہو تو اُسکو صاف صاف سوال کرنا چاہئے قرآن کو صورت سوال بنانا حرام ہے۔ فقہاء نے ضرورت کیوجہ سے تعلیم پر اُجرت لینے کو جائز کہا ہے لیکن ذکر خالص کو دنیا کا ذریعہ بنانا جس سے تعلیم مقصود نہو حرام ہے غرض پہرہ والے کا جاگو پکارنا فضول نہیں ہے بلکہ اگر وہ پہرہ چھوڑ کر چپکے چپکے نفلیں پڑھنے لگے تو وہ خائن ہے اسنے اپنی ملازمت میں خیانت کی اس حالت میں تنخواہ لینا اُسے بالکل حرام ہے۔ اسیطرح اگر کوئی شخص ذکر و شغل میں مشغول ہو اور اُسوقت کوئی اُسکے پاس نماز سیکھنے آئے تو اُسوقت ذکر و شغل ترک کر دینا اور اس شخص سے بات چیت کرنا واجب ہے یہ بات چیت بھی ضروری میں داخل ہے یا ہم تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں اور ایک آدمی نماز خراب پڑھ رہا ہو اُسوقت واجب ہے کہ اپنا ذکر چھوڑ کر اُسے ٹوکدیں کہ نماز اطمینان سے پڑھو بشرطیکہ فتنہ اور لڑائی کا خوف نہو اگر ایسا خوف ہو اور نہ ٹوکا تو کچھ گناہ نہیں لیکن اگر محض اپنے ذکر اور تسبیح کا خیال ہو کہ کون اسکو بتلادے کیوں اپنا کام چھوڑیں یہ نماز خراب پڑھیگا تو خود ہی جہنم میں جاویگا

تو اس صورت میں ان تسبیح پڑھنے والے صاحب کو بھی گناہ ہوگا کہ باوجود قدرت کے اسنے نہی عن المنکر میں کوتاہی کی۔ مگر آجکل لوگونکو اپنے وظائف کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ انمیں بولنا گناہ سمجھتے ہیں بس ایسی چپ سادھ کر بیٹھتے ہیں کہ چاہے کچھ ہی ہوجائے بولنا جانتے ہی نہیں یاد رکھو یہ سخت غلطی ہے ضرورت کے وقت بات چیت کرنا ذکر وغیرہ سے افضل ہے مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہوے بولنے بات کرنیکو برا نہیں سمجھتے اور وظیفہ میں بولنے کو گناہ سمجھتے ہیں چاہے انکے نہ بولنے سے کسی کی جان ہی جاتی رہے جیسے ایک دیہاتی زاہد رات کو مسجد میں بیٹھا ہوا مراقبہ کر رہا تھا وہاں ایک غریب مسافر بھی پڑا سو رہا تھا جو سوتے ہوے خراٹے لیا کرتا تھا اسکے خراٹوں سے دیہاتی کے مراقبہ میں خلل پڑنے لگا تو آپنے اسکو جگا کر بٹھا دیا کہ اٹھکر بیٹھو یہ تم کیا کر رہے ہو وہ غریب اٹھ بیٹھا مگر نیند کہاں جاتی ہے بیچارہ تھکا ماندہ تھا تھوڑی دیر میں پھر سو رہا اور خراٹے لینے لگا دیہاتی نے پھر آکے اٹھا دیا وہ پھر کچھ دیر میں سو رہا اور ویسے ہی خراٹے لینے لگا اب تو دیہاتی سے نہ رہا گیا اسنے نکال خنجر اس غریب کا کام تمام کر دیا کہ اب تو خراٹے نہ لیگا۔ صبح ہوئی لوگ نماز کو آئے تو مسجد میں خون ہی خون دیکھا پوچھا خان اس مسافر کو کسنے مارا تو آپ بے تکلف فرماتے ہیں کہ ہمنے مارا یہ ہمارے مراقبہ میں خلل ڈالتا تھا۔ سبحان اللہ! آپکا مراقبہ نہ جائے چاہے کسی کی جان جاتی رہے۔ ع

کسی کی جان گئی آپکی ادا ٹھیری۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ گڑ کھاویں اور گلگلوں سے پرہیز قتل تو کر دیں مگر مراقبہ نہ چھوٹنے پاوے استغفر اللہ العظیم۔

یہ سب باتیں جہالت سے پیدا ہوتی ہیں۔ لوگ بوجہ جہالت کے کبھی نہیں سمجھتے کہ شرعاً کونسا کام ضروری ہے اور کونسا غیر ضروری ہے۔ اسی لئے علم کی ضرورت ہے یا کم از کم علما کی صحبت ہی ہو تو ایسی غلطیاں پھر نہیں پیش آتیں۔ الغرض تین قسم کے افعال ہیں ایک وہ جنمیں دنیا کا یا دین کا نفع ہو یہ تو ضروری ہیں دوسرے وہ جنمیں دنیا کا یا دین کا ضرر ہو انکا ترک ضروری ہے تیسرے وہ جنمیں نہ دنیا و دین کا نفع ہے نہ ترک میں ان دونوں کا ضرر ہے یہ قسم لایعنی ہے۔ حدیث من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ میں اسی قسم کے افعال کو چھوڑنیکی ترغیب دی گئی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے افعال سے بھی منع فرماتے ہیں مگر اسکی طرف کسی کو بھی التفات نہیں ہے میں خصوصیت کیساتھ اتقیا کی شکایت کرتا ہوں کیونکہ ہم جیسوں کے تو بہت سے گناہ ہیں ہم لوگ جب گناہوں میں مبتلا ہیں تو لایعنی امور میں ہمارا

ابتلا چنداں عجیب نہیں ہمتو کہیں غیبت کرتے رہتے ہیں کہیں بدنگاہی میں مبتلا ہیں غرض سر سے پیر تک گناہوں میں غرق ہیں پھر ہم لایعنی امور میں بھی اگر مبتلا ہوں تو کچھ تعجب نہیں مگر افسوس اتقیاء پر ہے جو تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں مگر لایعنی امور سے بچنے کا ذرا فکر نہیں کرتے۔ بس حضرت شیخ ہاتھ میں تسبیح لیے بیٹھے ہیں تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھتے رہیں کہ انکا دل مشغول بحق ہے مگر ساتھ ہی ہنسی دل لگی بھی ہو رہی ہے۔

صاحبو! فضول باتوں سے قلب میں وہ ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے ذکر و اذکار کا سارا اثر زائل ہو جاتا ہے مگر اسکا ادراک ہر شخص کو نہیں ہو سکتا جسکا دل نورانی ہو اسے اس ضرر کا ادراک ہوتا ہے کالے توے پر اگر تھوڑی سی سیاہی اور لگ جائے تو اسپر کیا اثر محسوس ہو سکتا ہے ہاں شفاف آئینہ کو دیکھو کہ اسپر ذراسی بھاپ سے بھی میلاپن آجاتا ہے اور فوراً فرق محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کے قلوب شفاف ہیں انکے ایسے واقعات منقول ہیں کہ وہ ایک ذراسی فضول بات سے کسقدر متاثر ہوئے ہیں ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ اپنے ایک دوست کے مکان پر گئے جاکر آواز دی اندر سے جواب ملا کہ گھر میں نہیں ہیں آپنے پوچھا کہ کہاں گئے ہیں جواب ملا کہ معلوم نہیں کہاں گئے ہیں بس اسکے بعد انکو فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے یہ سوال فضول کیا کہ کہاں گئے ہیں ممکن ہے کہ وہ کسی مخفی کام کیلئے گئے ہوں جسکا بتلانا مصلحت کے خلاف ہو تو میں نے خواہ مخواہ اپنے ایک مسلمان بھائی کا راز دریافت کیا۔ بس اتنی بات پر وہ تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فضول بات کا اہل قلوب پر کتنا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہکر ہندوستان واپس آئے تھے حاجی صاحب کی خدمت میں رہنے سے ایک نور انکے دل میں پیدا ہو گیا تھا وہ فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ ایک رئیس کی فٹن گاڑی میرے بلانیکے لئے آئی میں نے سوار ہونے سے عذر کیا کہ قریب جگہ ہے ویسے ہی چلا جاؤنگا انہوں نے اصرار کرکے بٹھلایا بس گاڑی میں پیر رکھنا تھا کہ وہ نور سلب ہو گیا۔ تو یہ امور جنکو ہم ہلکا سمجھتے ہیں صاف و شفاف قلوب سے پوچھو کہ ان سے کسقدر ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ صاحبو! میں حرمت کا فتویٰ نہیں دیتا میں یہ نہیں کہتا کہ ایسے امور کے ارتکاب سے گناہ ہوتا ہے نہیں فتویٰ تو وہی ہے کہ گناہوں سے بچنا واجب ہے

اور اتنی کاوش کی ضرورت نہیں مگر اسکا یہ تو مطلب نہیں ہو سکتا کہ یہ حدیث ہی سرے سے فضول ہے آخر یہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ لایعنی امور کا ترک کر دینا اسلام کی خوبی ہے۔ اگر ہم سے بالکل ترک لایعنی نہ ہو سکے تو اسکی کثرت تو ترک کرنی چاہیے رہا یہ کہ اس کا ضرر کیا ہے تو جسطرح ترک لایعنی کے فائدہ کا احساس نور قلب پر موقوف ہے اسیطرح ارتکاب لایعنی کے ضرر کا احساس بھی نور قلب پر موقوف ہے اور اگر کسی کے دل میں نور نہ ہو تو اسکو کسی محقق کا قول مان لینا چاہیے یا محقق کے مقلد کی تقلید کر لینی چاہیئے۔ قاعدہ ہے کہ یا تو آدمی خود بینا ہو جب راستہ دیکھ سکتا ہے اور اگر خود اندھا ہے تو اسکو کسی سوانکھے کی تقلید کرنی ضروری ہے اگر اندھے آدمی سے ایک سوانکھا یہ کہے کہ اس راستہ میں گڑھا ہے اس سے بچکر چلو عقلا یہی کہیں گے کہ اندھے پر اسکی تقلید واجب ہے پھر حیرت ہے کہ دین کے باب میں محققین کا قول نہ مانا جائے۔ سید المحققین سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کثرۃ الکلام تقسو القلب۔ زیادہ باتیں بنانا دلکو سخت کر دیتا ہے ایک حدیث میں ہے کثرۃ الضحک تمیت القلب زیادہ ہنسنا دلکو مردہ کر دیتا ہے کیا اب بھی کسیکو اسمیں شک ہے کہ فضول اور لایعنی باتوں سے دل کی صفائی اور نور زائل ہو جاتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہمتو رات دن ہنستے رہتے ہیں ہمارا دل تو مردہ نہیں ہوتا اسکا جواب یہ ہے کہ تجکو حیات قلب نصیب ہی نہیں ہوئی جس سے کہ موت قلب کا احساس ہو۔ الاشیاء تعرف باضدادھا

غضب یہ ہے کہ جسطرح دنیا والے شطرنج و گنجفہ سے دل بہلاتے ہیں اسیطرح آجکل اتقیاء کے یہاں لغو اور فضول باتیں دل بہلانیکا مشغلہ ہو گئی ہیں بس تسبیح ہاتھ میں لی اور دنیا بھر کی باتیں بنا رہے ہیں جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ ذکر سے جو نور قلب حاصل ہوا تھا وہ زائل ہو جاتا ہے اور نور قلب کے زائل ہونیسے طاعت کا شوق کم اور ہمت میں پستی آجاتی ہے اور جہاں شوق و ہمت میں کمی آئی پھر گناہوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کیونکہ گناہوں سے بچنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک شوق و محبت دوسرے ہمت اور یہ دونوں باتیں نور ذکر سے پیدا ہوتی ہیں جب ان لغویات سے وہ نور ہی زائل ہو گیا تو شوق و ہمت میں کمی آنا لازمی ہے پھر اس شخص کا گناہوں میں مبتلا ہو جانا کچھ بھی عجیب نہیں کیونکہ اب وہ روک ہی نہیں رہی

جسکے ذریعہ سے گناہوں کی نفرت دل میں جم جاتی ہے پس لایعنی امور کا ارتکاب گو خود معصیت نہو مگر معصیت کا ذریعہ ضرور ہے اب تو آپکو اسکے ترک کا ضروری ہونا معلوم ہو گیا ہو گا۔ شیخ فرید عطار رح پند نامہ میں فرماتے ہیں ؎

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن

پند نامہ عجیب کتاب ہے اسکو دستور العمل بنانا چاہئے اس سے اصلاح کا زیادہ حصہ طے ہو جاتا ہے بس دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے شیخ عطار نے یہ کتاب تالیف کر کے مولانا رومی کے والد صاحب کو دیدی تھی کہ اپنے صاحبزادے کو یہ کتاب پڑھا دیں گا اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کیسی کتاب ہے۔ مولانا رومی رح نے بھی شیخ عطار کی بہت مدح فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

یعنی بہت ہی بڑے عارف ہیں جنہوں نے عشق کے تمام طبقے طے کر لئے ہیں سو اتنا بڑا محقق کہتا ہے ؎

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن

پر گفتن کے معنی بہت بک بک کرنا اور درِ عدن سے مراد بہتر گدار کلام ہے یعنی چاہی ظاہر میں کلام کیسا ہی خوشنما بہتر گدار ہو مگر زیادہ کلام سے دل ضرور مر جاتا ہے۔ صاحبو! آخر اسکی کچھ تو وجہ ہے کہ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں وضو بھی کرتے ہیں مگر پھر دل میں ہمارے نور نہیں پیدا ہوتا۔ حالانکہ نماز کے انوار اسقدر ہیں کہ شاید ہی کسی عبادت کے انوار اسقدر ہوں۔ اسیطرح وضو کے بارہ میں حدیث میں آیا ہے کہ وضو کے ہر قطرۂ پانی کیساتھ گناہ جھڑ جاتے ہیں نیز آپنے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے پاس نہر جاری ہو جسمیں وہ پانچوں وقت غسل کرتا ہو تو کیا اسکے بدن پر کچھ بھی میل رہ جائے گا صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں حضور نے فرمایا کہ اسیطرح مسلمان جب پانچوں وقت وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو جاتا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ ہمارے دل میں نہ نماز سے نور پیدا ہوتا ہے نہ وضو سے آخر اسکی وجہ کیا ہے تو خوب سمجھلو کہ نور تو پیدا ہوتا ہے مگر وہ نور ذرا سا ہوتا ہے کیونکہ ہمارے قلوب پہلے ہی سے شفاف نہیں پھر نماز اور وضو بھی ہم ایسے ہی معمولی طور پر ادا کرتے ہیں لیکن پھر بھی جسقدر نور پیدا ہوتا ہے

وہ ہماری ان فضول اور لغو باتوں سے زائل ہوجاتا ہے حتیٰ کہ دوسری نماز کے وقت کچھ بھی نور باقی نہیں رہتا پھر دوسری نماز سے کچھ نور پیدا ہوا وہ اسکے بعد لغویات کا شکار ہوگیا یہی قصہ روزانہ چلتا رہتا ہے جیسا کہ مولانا نے مثنوی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک چور چوری کرنے گیا تھا جب کچھ آہٹ ہوئی تو مالک کی آنکھ کھلگئی پہلے زمانہ میں دیا سلائی تو تھی نہیں جس سے فوراً چراغ روشن ہوجائے چقماق سے کام لیا کرتے تھے اسنے ایک سوکھی لکڑی پر چقماق سے چنگاری جھاڑی وہ چور بھی قریب آبیٹھا جب وہ چنگاری ستارہ کی کیطرح چمکی اور لکڑی پر پڑی اسنے فوراً اپنا انگوٹھا اسجگہ رکھدیا وہ گل ہوگئی غرض جب جب وہ ستارہ جھڑتا چور اس جگہ انگوٹھا رکھدیتا جس سے آگ بڑھنے نہ پاتی مولانا فرماتے ہیں ؎

بس ستارہ آتش از آہن چکید (اس جگہ کے شعر یاد نہیں آئے)

مولانا فرماتے ہیں کہ نماز و وضو وغیرہ سے نور تو ضرور پیدا ہوتا ہے کیونکہ خدا اور رسول کا فرمان سچا ہے مگر ہماری بغل میں چور بیٹھا ہوا ہے جہاں ذرا نور پیدا ہوا وہ فوراً اپنا انگوٹھا رکھدیتا ہے جس سے نور بڑھنے نہیں پاتا بلکہ جسقدر پیدا ہوتا ہے ساتھ کے ساتھ گل ہوجاتا ہے صاحبو! وہ چور کا انگوٹھا یہی ہماری فضول اور لغو باتیں ہیں جن سے طاعات کا نور سلب ہوجاتا ہے۔ اول تو ہماری طاعات میں نور ہی کہاں اسکی مثال تو پہلے ہی سے ایسی ہو رہی ہے جیسے کوئی منہیار چوڑیاں لئے جا رہا تھا ایک گاؤدی نے اسمیں لاٹھی کا کھودا مار کر پوچھا کہ میاں اسمیں کیا ہے ان گنواروں کی عادت ہوتی ہے کہ لاٹھی کا کھودا مار کر پوچھا کرتے ہیں منہیار نے کہا کہ ایک کھودا اور مار دو تو کچھ بھی نہیں یعنی اسمیں ایسی نازک چیز ہے کہ دوسری مار میں ختم ہوجائے گی۔ یہی حال ہمارے نور کا ہے کہ بس شیطان کی ایک ضرب لگ جانے تو کچھ بھی نہیں رہے نہ کہ اسپر اتنی ضربیں پڑتے ہوں کہ ہم رات دن فضول باتیں کرکے پھونکیں مار مار کر خود ہی اسکو گل کرتے ہوں صاحبو! نور بڑھتا ہے دھونکنے سے شیطان ہماری دھونکنی چرا کر لے گیا ہے اسلئے وہ بڑھنے نہیں پاتا پھر جسقدر پیدا ہوتا ہے وہ ساتھ کے ساتھ بجھتا جاتا ہے جمع ہونے نہیں پاتا اسلئے ہم کورے کے کورے رہ جاتے ہیں۔ بعض ذاکرین شکایت کیا کرتے ہیں کہ ہمکو ذکر سے نفع نہیں ہوتا دل میں نور نہیں آتا اسکا جواب یہی ہے کہ نور کہاں سے پیدا ہو جب تم ایک گھنٹہ ذکر کرکے چار گھنٹے فضول بک بک لگاتے ہو وہ جیسے کچھ نور پیدا بھی ہوتا ہے تم اس سے زیادہ ظلمت پیدا کردیتے ہو دیکھو حوض میں پانی اسیوقت جمع ہوسکتا ہے

جبکہ نیچے کی ڈاٹ بند ہو اور اگر ڈاٹ کھلی ہوئی ہو گی تو تم اوپر سے بھرو گے اور نیچے سے وہ نکلتا رہے گا حوض خالی کا خالی رہے گا۔ اور اگر اوپر سے پانی کے ساتھ خس و خاشاک بھی بھرتے رہو گے تو وہ ڈاٹ جا وے گا اور کیچڑ جمع ہو کر سڑاہند پیدا کر دیگا پھر چند دنوں میں پانی خشک ہو جائے گا اور کوڑا ہی کوڑا رہ جائے گا۔ بعض ذاکرین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ زیادہ بک بک نہیں کرتے مگر انکو ذکر سے اسلئے نفع نہیں ہوتا کہ انمیں کبر حسب جاہ بھری ہوئی ہوتی ہے حضرت شبلی رح کے ایک مرید نے آنسے شکایت کی کہ ذکر سے نفع نہیں ہوتا شیخ نے اُسکو کچھ اور بتلا دیا اُسنے پھر شکایت کی آپنے کچھ اور بتلا دیا جب بار بار شکایت کی تو شیخ نے توجہ سے مرض دریافت کیا معلوم ہوا کہ اسمیں کبر ہے آپنے اسکے علاج کی تدبیر کی فرمایا کہ یہ اخروٹ کا ٹوکرا فلاں محلہ میں اپنے سر پر رکھکر لیجاؤ (اس محلہ میں اُسکے معتقدین زیادہ تھے) اور لوگوں سے کہو کہ تمہارے سر پر دھولیں ماریں اور فی دھول ایک اخروٹ لے لیں اسنے کہا اللہ اکبر میں ایسا کروں شیخ نے فرمایا اے شخص یہ وہ کلمہ ہے کہ اگر کافر ستر سالہ اسے کہتا تو مؤمن ہو جاتا مگر اسوقت تو اسکے کہنے سے کافر ہو گیا کیونکہ اُسنے اللہ اکبر اسلئے نہ کہا تھا کہ خدا کی بڑائی بیان کرے بلکہ اُسنے اپنی بڑائی بیان کرنے کے لئے اللہ اکبر کہا تھا عارفین نے لکھا ہے کہ سالک کے سر میں سے تکبر تمام امراض کے بعد نکلتا ہے اور جہاں یہ خبیث مادہ نکلا پھر وہ بہت جلد واصل ہو جاتا ہے تو گویا خدا اور بندے کے درمیان صرف خودی حائل ہے یہ خودی جاتی رہے تو پھر کوئی حجاب نہیں عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست　　　تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

حضرت بایزید رح نے ایکمرتبہ حق تعالے کو خواب میں دیکھا موقع اچھا تھا اُنہوں نے موقع کا سوال بھی کیا عرض کیا یا رب دلنی علی اقرب الطرق الیک یعنی مجکو ایسا راستہ بتلا دیجئے جو آپکی طرف پہونچنے کیلئے سب سے زیادہ نزدیک ہو وہاں سے ارشاد ہوا یا بایزید دع نفسک و تعال۔ اے بایزید بس اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ مطلب وہی ہے کہ خودی اور کبر کو زائل کر دو پھر کوئی حجاب نہیں۔ واقعی بہت ہی مختصر اور قریب راستہ بیان فرمایا۔ اور حق تعالے سے زیادہ اسبات کو کون بتلا سکتا ہے تو یہ کبر وہ بلا ہے جسکی وجہ سے سارا ذکر و شغل بیکار ہو جاتا ہے حضرت مولانا گنگوہی رح فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے مرید کو ذکر و شغل سے نفع نہ ہوتا تھا شیخ نے بہت سی تدابیر کیں مگر سب بیکار ثابت ہوئیں آخر ایکدن انہوں نے

اسکو بلا کر پوچھا کہ بھائی تم جو ذکر و شغل کرتے ہو اسمیں تمہاری نیت کیا ہے کہنے لگا کہ میری نیت یہ ہے کہ حق تعالےٰ میری اصلاح کر دیں تو میں دوسروں کی اصلاح کروں مخلوق کو نفع پہونچاؤں - فرمایا کہ اب چور معلوم ہوا - تم پہلے ہی سے بڑے بننے کی فکر میں ہو اسی لئے نفع نہیں ہوتا - اس خیال کو دل سے نکالو اور مخلوق کے نفع کو چولہے میں ڈالو - محض رضاء حق کی نیت رکھو اور تمام خیالات کو دل سے دور کرو چنانچہ وہ شخص طالب تھا نیت درست کرلی اگلے ہی دن سے نفع شروع ہو گیا - خوب سمجھلو یہ حُب ریاست بھی بڑا اسد راہ ہے لوگ ذکر شروع کرکے اگلے ہی دن سے پیر بننے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے لڑکا بلوغ سے پہلے ہی باپ بننا چاہتا ہے تو بجز اسکے کہ اپنی صحت کو خراب کرے گا اور کچھ نفع نہو گا ؎

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی	تا راہ بین نباشی کے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق	ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

ابتو آپکو معلوم ہوا کہ یہ کبر کیسی مضر چیز ہے سالکین اپنے ان امراض کی اطلاع تو شیخ کو کرتے نہیں انکو تو بلی کے گوہ کی طرح چھپاتے ہیں کیونکہ ڈرتے ہیں کہ انکا علاج کیا جائے گا اور وہ علاج ہمکو ناگوار ہوگا جیسے حضرت شبلیؒ نے اس مرید کا علاج کیا تھا کہ فی دھول ایک اخروٹ بانٹتے جاؤ اور دھولیں کھاتے جاؤ پھر شیخ کی شکایت کیا کرتے ہیں کہ ہمکو اتنے دن سر رگڑتے ہو گئے نفع ہی نہیں ہوتا کچھ توجہ ہی نہیں فرماتے - وہ توجہ کیا خاک کریں جبتک یہ متعفن مادہ تسہیل کے ذریعہ سے نہ نکالا جائے اسوقت تک توجہ بھی نفع نہیں دے سکتی - اطبا لکھتے ہیں کہ جب مزاج پر کسی خلط کا غلبہ ہوتا ہے تو دودھ مضر ہوتا ہے کیونکہ یہ لطیف غذا ہے جلد خلط غالب کیطرف مستحیل ہو جاتا ہے دودھ کا نفع جبھی ہوتا ہے جبکہ مزاج کا تنقیہ کرکے اعتدال پیدا کر لیا جاوے اسیطرح توجہ کا نفع رذائل کے تنقیہ کے بعد ہوتا ہے اور جن بزرگوں کے واقعات آپنے سن رکھے ہیں کہ وہ اپنے پیر کی ایک توجہ سے کامیاب ہو گئے وہ ان رذائل سے پہلے ہی پاک ہو چکے تھے استعداد کامل موجود تھی صرف دیا سلائی لگانیکی دیر تھی توجہ دیا سلائی ہے اسکا لگنا تھا کہ آگ بھڑک اٹھی کام بنگیا گیلی لکڑی میں ہزار دیا سلائیاں لگاؤ کبھی آگ جلکر نہ دیگی ہاں دھواں بہت اٹھے گا جس سے سارا گھر سیاہ اور پاس والے پریشان ہو جائیں گے دھوئیں سے مراد جھوٹے دعوے ہیں

یعنی جسکا رذائل سے تنقیہ ہوا ہو اسکو اگر توجہ دیجائے اور اس سے کچھ کیفیات طاری ہونے لگیں تو وہ راتدن ڈینگیں ہانکتا پھریگا کہ میں ایسا ہوں میں ویسا ہوں بس اسکے سوا اور کچھ نفع نہوگا۔ اور اگر کسی میں یہ معاصی کبر.... وحب جاہ وغیرہ نہ بھی ہوں تو یہ لغو اور فضول باتیں بنانیکا مرض تو سبھی میں ہے اس سے وہ سارا کیا کرایا کام برباد ہوجاتا ہے تو یہ باتیں اگرچہ معاصی میں داخل نہوں مباحات ہی میں داخل ہوں مگر انکی تاثیر یہ ہے کہ نور قلب کو بجھا دیتی ہیں گو گناہ نہوتا ہو۔ جیسے پانی اگرچہ فی نفسہ طاہر ومطہر ہے کپڑے کو صاف کرکے سفید بنا دیتا ہے لیکن آگ کو بجھا ہی دیتا ہے اسکی وجہ کیا ہے۔ وجہ صرف یہ ہی کہ آگ اور پانی کے مزاج میں اختلاف ہے اسیطرح یہاں سمجھو کہ مباحات گو فی نفسہ پاک ہوں انسے گناہ نہوتا ہو مگر یہ نور جو قلب میں طاعات وذکر سے پیدا ہوتا ہے یہ طاعات ہی تو بڑھتا ہی لیکن فضول مباحات سے بجھ جاتا ہے اور اسکی وجہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ نور قلب کے مزاج کے لئے مباحات موافق نہیں آتے۔ اسلئے سالک کو جسطرح معاصی سے اجتناب لازم ہی اسیطرح بعضے مباحات سے بچنا بھی ضروری ہے یعنی لایعنی امور سے۔ باقی اسکی دلیل مشاہدہ اور تجربہ کے سوا کچھ نہیں۔ آزما کر دیکھ لیجئے کہ ایک دن آپ دس گھنٹے ذکر کریں اور دو گھنٹے فضول بک بک کریں اسروز دلکی کیا کیفیت ہوتی ہے اور ایک دن صرف دو گھنٹے ذکر کریں اور لایعنی امور سے پرہیز کریں اسدن قلب کی کیا حالت ہوتی ہے دونوں دنوں میں زمین آسمان کا فرق نظر آئیگا۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

چشم بند ولب بہ بند وگوش بند گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

اور لایعنی امور صرف باتوں ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ جسطرح بعضے اقوال لایعنی ہوتے ہیں اسیطرح بعضے افعال لایعنی ہوتے ہیں بعضے احوال لایعنی ہوتے ہیں سبکو ترک کرنا چاہئے پس لایعنی کی تین قسمیں ہوئیں۔ اقوال۔ افعال۔ احوال۔ فضول باتیں تو یہ ہیں کہ مجلس جما کر بیٹھ گئے اور ادہر ادہر کے قصے کہنے سننے شروع کردیئے ایک کہتا ہے کہ متھرا میں پیڑے اچھے ہوتے ہیں دوسرا کہتا ہے کہ نہیں اناؤ میں اچھے پیڑے ہوتے ہیں بھلا ان فضول باتوں میں کوئی نفع بھی ہے۔ سوائے وقت ضائع کرنیکے۔ اناؤ کے پیڑوں پر مجھے ایک قصہ ہنسی کا یاد آیا کہ دو شخص لکھنؤ سے کانپور جانیکو ریل میں سوار ہوئے راستہ میں اناؤ کا اسٹیشن آیا وہ کہنے لگے کہ یہاں کے پیڑے بہت مشہور ہیں ایک تیسرا شخص بھی وہاں بیٹھا تھا وہ بولا کہ جی ہاں

مشہور تو بہت ہیں مگر اب پہلے جیسے نہیں رہے ہیں نیے پیڑے خریدے ہیں انکو چکھ لیجئے پھر خریدنیکا قصد کیجئے گا پھر دو پیڑے جو خریدے تھے پیش کر دئے اُس پر اُن دونوں میں سے ایک صاحب نے چکھنے کیلئے سالم ایک پیڑا اوٹھا لیا۔ اُس شخص کو بہت ناگوار ہوا اُسنے دوسرا پیڑا دوسرے رفیق کے سامنے پیش کر دیا کہ اسکو آپ چکھہ لیجئے وہ کہتے تھے کہ اُسکی اس بات سے مجھے ایسی ندامت ہوئی کہ سر اوپر کو نہ اُٹھتا تھا پھر وہ پیڑے والا کانپور میں اترا ہم نے اُس شخص کو سواری کرایہ نہ کرنے دی اور اسکو بھی اپنے ساتھ سوار کر لیا کہ اسیطرح اُس ندامت کا معاوضہ ہو جاوے مگر پھر بھی اُس سے طبیعت ایسی شرماتی رہی کہ اپنی یہ ساری خاطر تواضع خاک میں ملی جاتی تھی۔ بعض دفعہ مجلسوں میں چاولوں کی قسمیں بیان ہوتی ہیں ایک کہتا ہے کہ ڈہیرہ کے چاول اچھے ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ پیلی بہیت کے عمدہ ہوتے ہیں غرض انہی فضولیات میں مجلسیں گرم رہتی ہیں بعض لوگوں کو فضول سوالات کرنیکا مرض ہوتا ہے کہ ایسے سوالات کرتے ہیں جنکی عمر بھر بھی ضرورت پیش نہ آئے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب ریل میں سوار ہوے تھے اسٹیشن پر وہ کسی کام کو اتر کر چلے گئے پیچھے کچھ جنٹلمین اُسی گاڑی میں آ گھسے یہ لوگ آزاد و بیباک ہوتے ہی ہیں اُنہوں نے مولوی صاحب کا اسباب تختہ پر سے پہینک کر اپنا سامان رکھدیا۔ جب وہ لوٹکر آئے تو اسباب منتشر پایا پوچھا کہ میرا اسباب کسنے پہینکا ہے کوئی بڑا ہی نالائق ہے لڑکوں نے اقرار کیا کہ حضرت یہ نالائق حرکت ہمسے ہوئی ہے اُنہوں نے انکو خوب کوری کوری سنائی کہ تم لوگ بڑا تہذیب کا دعوے کرتے ہو مگر تم میں خاک تہذیب نہیں ہے تم بڑے بے تہذیب لوگ ہو لڑکے سب کچھ سنتے رہے اور بہت شرمندہ ہوے جب گاڑی چل پڑی اور مولوی صاحب بھی اطمینان سے بیٹھ گئے تو اب ان لڑکوں کو شرارت سوجھی اُنہوں نے مولوی صاحب سے بدلہ لینا چاہا کہ ان سے کوئی ایسا سوال کرنا چاہیے جسکا جواب اُنسے نہ بن پڑے تاکہ یہ شرمندہ ہوں چنانچہ ایک آگے بڑھا اور مولوی صاحب سے پوچھنے لگا کہ مولانا نماز کے وقت فرض ہے اُنہوں نے کہا کیا آپکو ابتک اتنی خبر بھی نہیں کہنے لگا جی ہاں ہم تو ایسے ہی جاہل ہیں آپ بتلا دیجئے اُنہوں نے بتلا دیا کہ پانچ وقت فرض ہے کہنے لگا کہ ہر زمانہ میں اور ہر شہر میں اُنہوں نے کہا ہاں ہر حال میں دن رات کی پانچ ہی نمازیں ہیں کہنے لگا کہ پھر

جن مقامات میں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے کیا وہاں بھی پانچ ہی نمازیں فرض ہونگی تو وہاں سال بھر میں پانچ نمازیں ہوئیں۔ مولوی صاحب نے اسکا بہت معقول جواب دیا فرمایا کیا تمکو وہاں جانا ہے کہا نہیں فرمایا کیا تم وہاں سے آئے ہو کہا نہیں فرمایا جب تمکو نہ وہاں جانا ہے نہ وہاں سے آئے ہو پھر تمکو ایسی جگہ کے بارہ میں سوال کرنا فضول ہے کام کی باتیں پوچھو فضول وقت ضائع نکرو۔ جواب نہایت معقول تھا مگر اُنکے مذاق کے موافق نہ تھا اسلئے اُنکو قدر نہوئی اور یہ سمجھکر سب لڑکے ہنسنے لگے کہ ہمنے مولوی صاحب کو چپ کر دیا وہ لڑکے تو ہنسے ہی تھے وہاں ایک صاحب پختہ عمر کے بھی بیٹھے تھے جو باوجود جنٹلمین ہونیکے پابند صوم وصلوٰۃ بھی تھے وہ بھی ہنسنے لگے مولانا احمد حسن صاحب امروہی رح بھی اُس گاڑی میں سوار تھے وہ فرماتے تھے کہ مجھ اُس شخص کے ہنسنے پر بڑا غصہ آیا کہ اس بیوقوف کو کیا ہو گیا کہ نماز کا پابند ہو کر ایک شرعی بات پر ہنستا ہے میں نے اپنے جی میں کہا کہ تجھے تو میں ٹھیک بناؤنگا میں اُسکے پاس گیا اور سلام کرکے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا کہ آپکا نام کیا ہے مکان کہاں ہے شغل معاش کیا ہے معلوم ہوا کہ سرکاری ملازم ہیں میں نے پوچھا کہ آپکے ذمہ سرکاری کام کتنے گھنٹہ روزانہ ہے بولے چھ گھنٹے میں نے کہا کہ ہر موسم میں خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا کہنے لگے ہاں ہر موسم میں میں نے کہا بھلا اگر گورنمنٹ کی حکومت اُس علاقہ میں ہو جائے جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے اور گورنمنٹ آپکو وہاں متعین کر دے کسی کام پر کیا وہاں بھی آپ دن بھر میں چھ گھنٹے ہی کام کریں گے اگر وہاں بھی یہی رہا تو یوں کہو کہ سال بھر میں صرف چھ گھنٹہ ہی کام ہوگا کہنے لگے کہ وہاں گھڑی گھنٹے سے حساب لگالیں گے۔ مولانا نے کہا افسوس ہے تمہارے ایمان اسلام پر کہ یہی سوال ایک دین کے کام کیلئے کیا گیا تو یہ جواب وہاں آپکو نہ سوجھا اور گورنمنٹ کے کام کیلئے فوراً عقل آگئی کہ گھڑی گھنٹہ سے حساب لگالیں گے۔ صاحب تم اپنے ایمان کی خیر مناؤ کہ تم ایک عالم کے شرعی جواب پر ان بیباک لڑکوں کے ساتھ ہو کر ہنسے تمنے شریعت کی توہین کی تمہارا ایمان نہ کہیں سلب ہو گیا ہو۔ بیچارے پر نماز روزہ کا اتنا اثر تھا کہ اُسکو ایمان سے محبت تھی سلب ایمان کا لفظ سنکر اُسکے ہوش اُڑ گئے اور روتا ہوا مولانا کے قدموں میں گر پڑا کہ مولانا میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں واقعی مجھ سے خطا ہوئی۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے بھی

جواب دیا

اسکا سر قدموں سے نہ اُٹھایا کہ اچھا ہے اس متکبر کا دماغ تو درست ہو دیر کے بعد
اُسنے سر اُٹھایا تو میں نے اُنکو نصیحت کی کہ دین کی بات پر اسطرح نہ ہنسنا چاہئے جس سے
مسئلہ دینی کی توہین لازم آجائے۔ مولانا کا جواب تو بتقدیر تسلیم تھا کہ اگر بالفرض وہاں
کوئی پہونچ جائے تو کیا کرے ظاہر ہے کہ حساب لگاکر سال بھر کی نمازیں پڑھنی پڑینگی
لیکن تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے مقامات پر سردی اسقدر ہے کہ سمندر تک برف
سے جمے ہوئے ہیں وہاں انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں اسلئے یہ سوال ہی سرے سے غلط ہے
اسیطرح ایک شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ میں آپکے
نزدیک کون حق پر تھا۔ فرمایا تمکو اس سوال سے کیا مطلب میں تمہیں یقین دلاتا ہوں
کہ قیامت میں تمسے اسکے متعلق کوئی سوال نہو گا نہ اُنکا مقدمہ فیصلہ کیلئے تمہارے
پاس آئیگا اور اگر تمسے سوال ہوا تو تم اللہ میاں کے سامنے میرا نام لے دینا کہ میں نے اس سے
سوال کیا تھا اُسنے مجکو جواب نہیں دیا واقعی خوب جواب دیا۔ اسیطرح آجکل یہ عادت ہے
کہ جہاں کوئی مولوی باہر کا کسی شہر میں پہونچا اور لوگوں نے اُس سے سوالات کرنا شروع
کئے۔ یہ بھی بہت برا مرض ہے کیونکہ پردیسی آدمی کو شہر کے واقعات پوری طرح معلوم نہیں
ہوتے اور پوچھنے والے بوجہ جہل کے پوری بات بیان نہیں کرتے وہ جتنی بات سنتا ہے اُسکے
موافق جواب دیدیتا ہے اُسکو یہ لوگ فتوے قرار دیکر وہاں کے علما سے اُلجھتے ہیں کہ تمنے تو یہ
کہا تھا اور فلاں عالم یہ فرما گئے ہیں حالانکہ ممکن ہے کہ وہاں کے علما کو واقعہ کی پوری تحقیق
ہو جسکی بنا پر انہوں نے دوسرا جواب دیا ہو اسی لئے میری عادت ہے کہ سفر میں ایسے
سوالات کا جواب نہیں دیا کرتا کہدیتا ہوں کہ سوال کی پوری صورت لکھکر ڈاک میں
میرے پاس بھیجدینا اطمینان سے جواب دونگا اسکے بعد اگر وہ کسی سے اُلجھے گا تو جواب
کے ساتھ لوگ اُسکے سوال کو بھی دیکھ لیں گے کہ اسنے سوال کسطرح کیا تھا۔ اور زبانی
سوال کے جواب میں لوگ صرف جواب کو نقل کر دیتے ہیں اپنے سوال کو پورا نقل نہیں
کرتے کہ ہمنے سوال کسطرح کیا تھا۔ ایکمرتبہ میں رامپور گیا تو وہاں ایک صاحب نے
مجھسے سوال کیا کہ گیارہویں کرنا کیسا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اسکا مقصود میرے مسلک
پر عمل کرنا نہیں ہے بلکہ محض مجھے بدنام کرنا ہے کہ یہ وہابی ہے اسلئے میں نے اُس سے
یہ سوال کیا کہ تم عمل کیواسطے پوچھتے ہو یا امتحان کیواسطے اگر عمل کیواسطے پوچھتے ہو تو تمکو

شہر کے علماء سے پوچھنا چاہیے جنکی دینداری اور تقوے کا تمکو تجربہ ہے مجھسے تم
واقف نہیں ہو صرف آج ہی آپ کی مجھسے ملاقات ہوئی ہے ایک دن میں تمکو میری دیانت
اور تقوے کا تجربہ نہیں ہو سکتا میری ساتھ کچھ دنوں رہو گے جب میری حالت سے واقف
ہو گے۔ اور اگر امتحان کے واسطے پوچھتے ہو تو تمکو میرا امتحان لینے کا کوئی حق نہیں ہے
جن لوگوں نے مجھکو پڑھایا ہے وہ سہ ماہی اور ششماہی اور سالانہ امتحانات میرے لے چکے
ہیں آپسے میں نے کچھ پڑھا نہیں نہ پڑھنا چاہتا ہوں اسلئے آپکو میرے امتحان کا کیا حق ہے
بس اس جواب پر وہ اپنا سا منہ لیکر رہ گئے وہ یہ چاہتے تھے کہ میں آنکے سامنے اپنا
مسلک بیان کر دوں پھر مجھ میں اور وہانکے علماء میں مناظرہ ہو۔ سو میں ایسا روگ ہی
نہیں پالتا۔ بعض علما کو مناظرہ کا شوق ہوتا ہے وہ جہاں جاتے ہیں مناظرہ کیلئے
تیار ہو جاتے ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مناظرہ کے بعد بھی لوگ تو اسی حال پر رہتے
ہیں جسپر پہلے سے تھے ہاں انکا وقت اچھی طرح برباد ہوتا ہے آجکل مناظرہ میں اظہار
حق تو مطلوب ہوتا نہیں محض ہار اور جیت مدنظر ہوتی ہے چنانچہ ہر فریق اسکی کوشش
کرتا ہے کہ جسطرح ہو سکے دوسرے کی بات کو توڑا جائے چاہے اسکے منہ سے ایک دو بات
سچی بھی نکل جائے مگر یہ اسکو بھی رد کرنا چاہتے ہیں ایکمرتبہ رامپور میں نوابصاحب نے
قادیانیوں سے اہل حق کا مناظرہ کرایا تھا جب میں وہاں سے لوٹا تو لوگوں نے مجھسے
مناظرہ کا حال پوچھا میں نے کہا کہ امیروں کو بازیوں کا شوق ہوتا ہے آج مرغ بازی
ہو رہی ہے کل کو تیتر بازی پرسوں کو بٹیر بازی نوابصاحب کو مولوی بازی کا شوق
ہوا تھا انہوں نے مناظرہ کرادیا کہ دو مولوی آپس میں کھڑے لڑ رہے تھے نوابصاحب
کو لطف آرہا تھا بس یہ حاصل تھا مناظرہ کا سو واقعی آجکل کے مناظروں کا تو یہی
حاصل ہے بچپن میں مجھے بھی اسکا شوق تھا مگر جتنا پہلے شوق تھا اب اتنی ہی نفرت ہے
آجکل مناظرہ میں تو تو میں میں اور پھبتیاں بہت ہوتی ہیں جن سے سوائے اپنے
مقابل کو زچ دینے کے کچھ مقصود نہیں ہوتا بات بات میں رسالے بازی ہوتی ہے
جسمیں طرز تحریر ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے مدمقابل کی خوب تحقیر و توہین ہو
اسی لئے آجکل مناظرہ سے ضد اور عداوت بہت بڑھ جاتی ہے چنانچہ ایک شخص نے
ایک رسالہ کسی کے جواب میں لکھا ہے مصنف رسالہ کے پیر کا نام مسکین شاہ ہے

تو مجیب نے اُنکے پیر کے اوپر پہبتی کے طور سے یہ شعر لکھا ہے ؎

گربہ مسکین اگر پر داشتے
تخم گنجشک از جہان بر داشتے

بھلا اظہار حق میں اس پہبتی کو کیا دخل تھا کچھ نہیں محض فضول وقت ضائع کرتے ہیں جس سے نفع کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے اسی لئے آجکل کے مناظرے بھی میرے نزدیک لایعنی میں داخل ہیں (البتہ اگر کہیں مسلمانوں کا دین برباد ہونیکا اندیشہ ہو اور اُنکی ایمانکی حفاظت کیلئے مناظرہ کی ضرورت ہو وہ موقع اس سے مستثنیٰ ہے مگر ایسے مناظرے تو ہیں ایک دو ہوتے ہیں اکثر تو محض شوقیہ ہی ہوتے ہیں ۱۲ جامع) امام ابو حنیفہ رح نے اپنے صاحبزادہ حماد رح کو وصیت فرمائی تھی کہ علم کلام (و مناظرہ) میں مشغول مت ہونا انہوں نے کہا کہ آپ مجھکو تو اس سے منع فرماتے ہیں مگر میں نے آپکو خود مناظرہ کرتے دیکھا ہے فرمایا کہ اب زمانہ بدلگیا ہے جب ہم مناظرہ کرتے تھے تو ہم یہ چاہتے تھے کہ دوسرے کی زبانسے حق بات نکلے اور ہم اسکو تسلیم کرلیں تاکہ میرے بھائی کی بات اونچی رہے اور وہ حق پر رہے اور اب ہر فریق یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی زبان سے غلط بات ہی نکلے تاکہ میں اسکو رد کرسکوں تو اس زمانہ میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لئے گمراہی کی تمنا کرتا ہے اسلئے اب مناظرہ میں پڑنا مضر ہے سبحان اللہ کیسی عجیب بات فرمائی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلف صالحین کے مناظرہ میں اور آجکل کے مناظرہ میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے۔ انکو درحقیقت اظہار حق ہی مطلوب تھا وہ فضول وقت ضائع نکرتے تھے نہ انکو اس سے عار تھی کہ کوئی ہمکو ناواقف کہدیگا۔ مولانا عبد القیوم صاحب بھوپالی رح سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ مسئلہ بتلا دیتے اگر کوئی یہ پوچھتا کہ یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے تو آپ فرما دیتے کہ بھائی میں تو مسلم نہیں ہوں میرے آبا و اجداد سب مسلمان تھے جسطرح میں نے اپنے باپ کو عمل کرتے دیکھا اُسی طرح میں نے کیا اور وہ اپنے باپ کو دیکھکر عمل کرتے تھے اور وہ اپنے باپ کو اسیطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ایک دوسرے کو دیکھکر عمل کرتے آرہے ہیں اسلئے ہمکو حدیث معلوم کرنیکی ضرورت نہیں ہاں جو نو مسلم ہوں انہیں حدیثیں معلوم کرنیکی ضرورت ہے کیونکہ اُنکے آبا و اجداد نے اُنسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عمل کرکے نہیں دکھلایا۔ تو مولانا کے اس جوابکا منشا صرف یہ تھا کہ لو تو میں میں کے اندر وقت ضائع نہو کیونکہ جاہلوں کو اگر حدیث بتلا بھی دی جائے

تو وہ یہ کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ کسطرح مستنبط ہوا اسلئے ایک عامی شخص کا یہ سوال کرنا فضول ہے۔ اور فضول سوال کا جواب دینا بھی فضول ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جواب نہ دینے سے بعض لوگ اُسکو ناواقف کہیں گے مگر سلف کو اسکی پروا ہی نہ تھی کہ کوئی ہمکو کیا کہے گا وہ فضول باتوں میں پڑنیکو گوارا نکرتے تھے مگر آجکل علما کی عادت ہے کہ وہ سائل کے مذاق کا اتباع ہی کرتے ہیں اور جہانسے وہ دلیل طلب کرے اُسی جگہ سے دلیل بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے کیونکہ بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جنکے دلائل عوام کی فہم سے باہر ہوتے ہیں اب اگر انکو دلیل کا عادی کر دیا جائے گا تو وہ اُن مسائل کو بھی بلا دلیل نمانیں گے اور دلیل سمجھ نہ سکیں گے اسکا انجام یہ ہوگا کہ وہ عمل بھی نکریں گے تو یہ کتنا بڑا نقصان ہے بس اسلم طریقہ یہی ہے کہ لایعنی سوالات کا جواب نہ دیا جائے۔

ایک شخص نے مجھسے سوال کیا کہ ایک عورت کا شوہر اور بھائی چوروں کے ہاتھ سے مارے گئے وہاں سے ایک فقیر کا گذر ہوا عورت کو روتا دیکھکر رحم آیا اور عورت سے کہا کہ تم انکے سر کو دھڑ سے جوڑ دو میں دعا کرتا ہوں۔ عورت نے سروں کو دھڑ سے جوڑ دیا مگر جلدی میں یہ غلطی کی کہ شوہر کا سر بھائی کے دھڑ سے لگا دیا اور بھائی کا سر شوہر کے دھڑ سے فقیر کی دعا کی وہ دونوں زندہ ہوگئے اب وہ عورت کس کے پاس رہے۔ میں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے بھلا یہ بھی کوئی سوال ہے جسکے سر نہ پانوں۔ اسکا طرز بتلا رہا ہے کہ کسی نے فرصت میں بیٹھکر گھڑا ہے۔ علما کو چاہئے کہ ایسی فرضی صورتوں کا جواب نہ دیا کریں حضرت عمر رضہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ اول یہ سوال کرتے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے یا ویسے ہی سوال کرتے ہو۔ اگر وہ یہ کہتا کہ واقعہ پیش آیا ہے تب جواب دیتے ورنہ دھمکا دیا کرتے تھے آجکل بہت لوگوں کو یہ مرض ہے کہ فضول سوالات کیا کرتے ہیں۔ حتے کہ خطوط میں بھی دنیوی امور کے متعلق ایسے سوالات ہوتے ہیں۔ تھانہ بھون میں ایک شخص ہیں انکے ایک دوست کی عادت تھی کہ وہ ہر خط میں بہت سی بیہودہ سوالات کیا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ غلہ کا بھاؤ کیا ہے دال کا نرخ کیا ہے بارش کیسی ہوئی کھیتیاں کیسی ہیں اور اس قسم کے بہت سے سوالات ہر خط میں ہوتے تھے۔ وہ بیچارے بعض باتوں کا جواب دیدیتے اور بعض باتوں کا جواب نہ دیتے تو اگلے خط میں

وہ اسپر مواخذہ کرتے کہ تمنے میری بہت سی باتوں کا جواب نہیں دیا اسکی کیا وجہ ہے۔ جب وہ بیچارہ تنگ آگیا تو اُسنے بھی ایک خط میں سوا سو سوالات اسی قسم کے لکھے اسپر اُنکا خط آیا کہ تم بڑے بیہودہ آدمی ہو۔ فضول سوالات کرتے ہو۔ اُسنے لکھا کہ حضور ایسے ہی سوالات آپکے ہوتے ہیں جنسے میں تنگ ہوا کرتا تھا میں نے آپکو دکھلایا ہے کہ فضول باتوں سے کیسی تکلیف ہوتی ہے جب اُنکی وہ عادت بدلی۔ سو واقعی ایسے لوگوں کا ایسا ہی علاج ہونا چاہئے جب کوئی تم سے ایک فضول سوال کرے تم اُس سے دو سوال ویسے ہی کر دو مجھے تو اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ لوگ خط میں لکھدیتے ہیں کہ فلان فلان کو سلام پہونچا دیجئے۔ بھلا خواہ مخواہ اپنے ایک دو پیسہ کی کفایت کیلئے دوسرے آدمی کو سلام پہونچانیکے لئے مزدور بنانا یہ کونسی آدمیت ہے اور خیر جہان بے تکلفی ہو وہان تو زیادہ مضائقہ نہیں مگر جسکو اپنا مربی بنایا ہو اُس سے اپنا کام اس قسم کا لینا نری جہالت ہے صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ شیخ کے خط میں کسی کو سلام نہ لکھنا چاہئے اسیطرح ایک مرتبہ جب بخار کا زور ہوا تو لوگ خطوط میں مجھسے تھانہ بھون کی حالت دریافت کرتا تھے کہ وہان بیماری کا کیا حال ہے میں اسکے جواب میں یہ شعر لکھدیا کرتا تھا ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

اور واقعی مجھے بسا اوقات شہر کی حالت معلوم بھی نہیں ہوتی تھی نہ میں اسکی تحقیق کرتا ہوں کہ آج کتنی موتیں ہوئیں۔ بعض لوگونکو بیماری میں یہی مشغلہ ہوتا ہے کہ اموات کی شمار معلوم کرتے پھرتے ہیں اور مجلسوں میں بجائے خوف الٰہی کے تذکرہ کے یہی تذکرہ ہوتا ہے کہ آج اتنی موتیں ہوئیں کل اتنی ہوئی تھیں۔ یہ بھی لایعنی مشغلہ ہے۔ ایسے وقت میں انسان کو طاعات میں مشغول ہونا چاہئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہئے نہ کہ دنیا بھر کے قصے لے بیٹھیں اور بیماری کے تذکرہ ہی کو مشغلہ بنالیں۔ اسی طرح بعض لوگ خطوط میں خوابیں بہت لکھا کرتے ہیں اور اُنکی تعبیر دریافت کرتے ہیں میں اسکے جواب میں اکثر یہ شعر لکھدیتا ہوں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم　　چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

اور یہ بھی لکھدیتا ہوں کہ بیداری کا حال لکھو اُسکا جواب دوں گا خوابوں سے کیا ہوتا ہے ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ خط میں چند احوال بیداری کے لکھے جائیں اپنے امراض کی اصلاح

دریافت کی جائے اور اگر کوئی عجیب خواب ہو تو اسکا تذکرہ بھی کر دیا۔ باقی سارے خط کا یہی حاصل ہوتا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے وہ خواب دیکھا ہے یہ مجکو پسند نہیں اسی لئے میں خوابون کی تعبیر بہت کم دیا کرتا ہون۔ یہ تو فضول باتون کا بیان تھا۔ لایعنی افعال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض لوگ بلاوجہ فضول کاموں میں مشغول ہوتے ہیں مثلاً ناول دیکھنا چھوٹے موٹے قصون کا مطالعہ کرنا اس سے بیفائدہ وقت ضایع ہوتا ہے اسمیں نہ کچھ دنیا کا نفع ہے نہ دین کا اسلئے کتابیں وہ دیکھنی چاہئیں جو دنیا یا دین کے لئے نافع ہوں اسیطرح بعض لوگونکو اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں ہوتا دوسروں کے کاموں میں لگے رہتے ہیں کسی نے جو فرمائش کر دی اسکو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں سو یاد رکھو کہ خدمت خلائق اگرچہ بہت اچھی چیز ہے مگر ہر کام کا ایک درجہ ہے سب سے مقدم انسان کیلئے اپنی اصلاح ہے اپنے کام سے جو وقت بچے اسمیں مخلوق کی خدمت کا مضائقہ نہیں مگر اپنی حالت کی خبر نہ لینا اور دوسروں ہی کے کاموں میں سارا وقت گنوا دینا یہ خدمت کا ہیضہ ہے اسلئے الاھم فالاھم۔ پر عمل کرنا چاہئے۔ بعض لوگون کی یہ عادت ہے کہ جہان کوئی اُنسے ملنے آگیا بس اُسی کو لے بیٹھتے ہیں اُسکی خاطر مدارات میں اپنے ضروری کاموں کا حرج کر دیتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ بے انتظام رہتے ہیں اُنکا کوئی معمول پابندی سے ادا نہیں ہوتا۔ خاطر مدارات کے لئے دس پندرہ منٹ کافی ہیں اسکے بعد اپنے ضروری کامون میں لگ جانا چاہئے۔ اگر انسان میں انتظام کا سلیقہ ہو تو اُسکو یہ باتیں خود بخود محسوس ہونے لگتے ہیں کہ کونسا کام مقدم ہے کونسا مؤخر ہے کسکی زیادہ ضرورت ہے کسکی نہیں اسلئے اپنے افعال کی بھی نگہداشت لازم ہے اسپر عمل کرنے سے سارے معمولات بخوبی ادا ہوتے رہیں گے۔ لایعنی اموال کی یہ صورت ہے کہ بعض لوگ ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک ذریعہ معاش تجارت کا اسقدر موجود ہے جس سے گذر خاصی طرح ہو رہا ہے مگر زیادہ مال کی حرص ہے اسلئے بڑے پیمانہ پر کارخانہ جاری کرنا چاہتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری عمر تحصیل مال ہی میں کٹ جاتی ہے خدا کی طرف متوجہ ہونیکی توفیق نہیں ہوتی۔ پھر غضب یہ کہ بڑا کارخانہ اگر ذاتی رقم سے کھولا جائے اسکا بھی چنداں مضائقہ نہیں بعض لوگ بلاوجہ قرض کر کے کارخانے کھولتے ہیں اسمیں جسقدر دقتیں اور پریشانیان

پیش آتی ہیں اُن کا اندازہ وہ خود کر سکتے ہیں بلا وجہ بلا ضرورت قرض کرنیکی بھی شریعت نے ممانعت کی ہے۔ بعض لوگوں کو دوسروں کی امانتین رکھنے کا شوق ہوا کرتا ہے کہ جسنے جو امانت رکھوائی اٹھا کر رکھ لی۔ بعض دفعہ اگر امانت ضایع ہو جاتی ہے تو اس شخص کو سخت پریشانی ہوتی ہے اگر ضمان ندے تو طبیعت نہیں مانتی دوسرے شخص سے ندامت ہوتی ہے اور اگر ضمان دے تو اپنے دل پر گراں ہوتی ہے اتنی رقم میری بیفائدہ خرچ ہو رہی ہے اسلئے ہر شخص کو دوسروں کی امانتین نہ رکھنی چاہئیں۔ ہان اگر کوئی بڑا منتظم ہو اور لوگوں کو اسپر ایسا اعتماد ہو کہ اگر وہ یہ کہدے کہ امانت ضایع ہوگئی ہے تو کیسیکو اسپر خیانت کا وسوسہ بھی نہ آئے ایسا شخص امانت رکھے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ امانت کی وجہ سے اسکو پریشانی لاحق نہو ورنہ انسان کو ایسا کام ہر گز نہ کرنا چاہیئے جس سے جمعیت قلب فوت ہو۔ غرض بیفائدہ باتیں فضول کام اور بے ضرورت مال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے ہر قسم کے لایعنی امور سے احتراز کرنا چاہیئے پھر دیکھئے دل میں کیسا نور اور اطمینان اور سکون رہے گا کہ اس دولت کے سامنے سلطنت بھی ہیچ معلوم ہوگی کیونکہ اصل راحت اسی کا نام ہے کہ دلکو چین و سکون ہو۔ بعض لوگ ایسے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں جنکا انجام دینا انکی قدرت سے باہر ہے اس کا نتیجہ بجز پریشانی کے اور کچھ نہیں چنانچہ آجکل اسکا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسوقت مشائخ وغیر مشائخ علماء و عوام سبھی اس مرض میں مبتلا ہیں کہ لایعنی امور سے احتراز نہیں کرتے اور اسوجہ سے دنیا و دین دونوں کا نقصان ہو رہا ہے بالخصوص یہ عورتیں کہ انکو تو رات دن زیور اور کپڑے کے تذکرہ سے سوا اور کوئی کام ہی نہیں پھر مصیبت یہ ہے کہ جسکے پاس زیور نہو وہ تو دوسروں کے زیور کا ذکر کرتی رہتی ہے اور جسکے پاس ہو وہ بھی چین سے نہیں بیٹھتی اُسکو اسکی تلاش رہتی ہے کہ اگر کسی کے پاس میرے زیور سے اچھا نمونہ ہو تو میں بھی اسکو تڑوا کر ویسا ہی بنواؤں چنانچہ جہاں کسی کا زیور پسند آیا اور اپنا زیور انکے دل سے اترا اور انہوں نے فوراً فرمائش کی کہ اسکو توڑوا کر ویسا ہی بنایا جاوے اسکی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ ابھی ابھی اسکی بنوائی میں اتنے روپئے گئے ہیں توڑوانیسے وہ سب لاگت ضایع جائیگی

اور دوسری لاگت الگ دینی پڑے گی۔ مگر انکی بلا سے ہوا کرے۔ جانتی ہیں کہ
شوہر کماوے گا اور لاوے گا ہم کیوں فکر کریں۔ بس انکو تو اپنی فرمائش
پوری ہونی چاہیئے۔ شوہر کے ذمہ چاہے کتنا ہی قرض ہو جاؤ۔ کپڑوں کے جمع
کرنے کی وہ بھرمار ہوتی ہے کہ صندوق بھرا ہوا ہے مگر کیا ممکن ہے کہ بزاز اسکے
گھر کے سامنے سے خالی گذر جائے۔ غرض عورتوں کے اقوال و افعال و اموال تو بالکل
لایعنی ہیں اُن کی فہرست گننا تو گویا محال ہے ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا
کجا نہم۔ خیر یہ مضمون تو ظاہر تھا جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اب میں ایک بات
مختصر طور پر ایسی بیان کرنا چاہتا ہوں جو ذرا باریک بات ہے جسکو بہت کم لوگ
سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ بعض اوقات مشائخ طریق مریدین کو ایسے امور کا حکم دیتے ہیں
جو بظاہر لایعنی معلوم ہوتے ہیں جس سے ظاہر بین کو شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس
حدیث کے خلاف کر رہے ہیں تو اسکی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے پھر اسیکی ساتھ
جبکہ یہ بھی تاکید کی جاتی ہے کہ شیخ کی اطاعت کامل طور پر بجالائیں تو یہ اشکال
اور قوی ہو جاتا ہے سو اول سمجھنا چاہیئے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلاف شریعت
بھی اگر وہ امر کرے تو اطاعت کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب وہ خلاف شرع امر
نکرے بلکہ شریعت کے موافق حکم کرے اسمیں اسکی اطاعت بجالاویں لیکن بعض
دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شیخ شریعت کے موافق امر کرتا ہے مگر مرید اسکو اپنی
کم فہمی سے خلاف شرع سمجھ جاتا ہے اسلیئے اسکا معیار یہ ہے کہ بیعت ہونیسے
پہلے ہی اسکی حالت کا تجربہ کر لیا جاوے جب تجربہ سے اسکا متقی اور کامل
دیندار ہونا ثابت ہو جاوے اور جتنی شرائط شیخ کامل کی ہیں وہ سب اسکے
اندر معلوم ہو جائیں اسکے بعد بیعت ہوں پھر اسکے احکام میں پس و پیش
نکریں کیونکہ شیخ کامل ہرگز شریعت کے خلاف امر نہیں کر سکتا اور جو خلاف
شرع امر کرے وہ شیخ کامل نہوگا البتہ اگر اسکا موافق شرع ہونا سمجھ میں
نہ آوے تو ادب کی ساتھ شیخ سے تحقیق کر لینا ضروری ہے اگر وہ نہ سمجھا سکے
تو ادب کی ساتھ عذر کر دے مگر گستاخی و بیتابی نکرے لیکن اگر بکثرت ایسا
ہونے لگے تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ کامل نہیں ہے لطف کے ساتھ اسکو چھوڑ دینا چاہیئے

اس تمہید کے بعد اب سمجھئے کہ بعض دفعہ شیخ کامل بعض مریدوں کو کسی طاعت غیر واجبہ سے روکدیتا ہے مثلاً حکم دیدیا کہ تمام نوافل اور ذکر و اذکار یکلخت موقوف کردو۔ حالانکہ انکا ترک لایعنی ہے اور بعض دفعہ بعض مباحات میں مشغول ہونے کا حکم دیتا ہے کہ خوب کھاؤ پیو ہنسو بولو جنگل کی سیر کرو تفریح طبع کے لئے سفر کرو۔ حالانکہ بظاہر یہ امور لایعنی ہوتے ہیں تو اس سے کم فہموں کو غلطی پیش آسکتی ہے کہ یہ عجیب شیخ ہے جو لایعنی امور کا حکم دیتا ہے اور مایعنی سے یعنی مفید کاموں سے منع کرتا ہے۔ سو خوب سمجھ لو کہ اسمیں شیخ کی غلطی نہیں بلکہ تمہارے فہم کا قصور ہے اس کا راز یہ ہے کہ وہ طاعت جو فی نفسہ مایعنی ہے اس مریض کے حق میں مایعنی نہیں ہے بلکہ کسی عارض کیوجہ سے مضر ہو رہی ہے اس لئے وہ اسکو ان خاص طاعات سے منع کر رہا ہے مثلاً شیخ دیکھتا ہے کہ اس مرید کو زیادہ نوافل اور ذکر و شغل کرنے سے عجب پیدا ہو گیا یہ اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگا ہے اس لئے وہ اسکو اذکار و اشغال سے منع کر دیتا ہے جیسے طبیب مریض کو کسی حلوے سے روکدیتا ہے حالانکہ اسمیں میوہ جات پڑے ہوئے ہیں مفرحات بھی اسمیں موجود ہیں لیکن مریض کا معدہ کمزور ہے وہ اسکو ہضم نہیں کرسکتا پس طبیب اسکو حلوے سے روکدیتا اور کڑوی دوا پلاتا ہے کہ اسوقت اسکے لئے کڑوی دوا ہی مفید ہے اسی طرح طاعات و اذکار اگرچہ شیریں ہیں مگر بعض دفعہ ذاکر کا مزاج اس کا متحمل نہیں ہوتا بلکہ امراض کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے اسکو اذکار سے منع کرکے بعض مباحات میں مشغول کیا جاتا ہے اسوقت طالب کو شیخ کا اتباع کرنا چاہیے اور ہمہ تن اپنے آپ کو اسکے سپرد کر دینا چاہیے کہ وہ اسمیں جو چاہے تصرف کرے اس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو	پیش مرد کاملے پامال شو
چوں گزیدی پیر ہیں تسلیم شو	ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
صبر کن در کار خضر اے بے نفاق	تا نگوید خضر رو ہذا فراق
گر خضر در بحر کشتی را شکست	صد درستی در شکست خضر ہست

آن پسر راکُشت خضر ببرید حلق | سِتر آن را درنیابد عام خلق

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص حج کے واسطے شیخ سے اجازت لینے آیا مگر اسپر حج فرض نہیں یا فرض کو وہ ادا کر چکا ہے اب حج نفل کے لئے اجازت چاہتا ہے لیکن شیخ نے اسکو منع کر دیا اسپر بعض لوگ متوحش ہوتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو حج جیسی طاعت سے منع کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ حج سے منع نہیں کرتا بلکہ تمکو معصیت اور کفر سے بچانا چاہتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ تم کمزور ہمت والے ہو صعوبت سفر اور مشقت طریق کا تحمل تم نہیں کر سکتے ایسی حالت میں اگر تم حج کرنے گئے تو اندیشہ ہے کہ ایک حج کیلئے پچاس نمازیں قضا کر وگے۔ اور اگر زیادہ مشقت پیش آئی تو یہ بھی اندیشہ ہے کہ تمکو حج ہی سے نفرت ہو جائے اور خدا کی طرف سے دلمیں شکایت پیدا ہو جائے تو اس صورت میں حج کا ثواب تو کیا ملتا ایمان بھی مکہ ہی میں رہ جائے گا اور فرض ادا ہی ہو چکا تھا تو خواہ مخواہ نفل کام کیلئے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا یا کم از کم معاصی میں مبتلا ہونا کونسی عقلمندی ہے اسلئے وہ شیخ کامل ایسے شخص کے لئے یوں کہتا ہے ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید | معشوق درین جاست بیائید بیائید

البتہ جسپر حج فرض ہو اُسکو چلا جانا چاہئے اور مشقت سفر کیلئے دلکو یہ مضمون سمجھائے ؎

اے دل آن بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی | بے زر و گنج بصد حشمتِ قاروں باشی

در رہ منزل لیلی کہ خطرہاست بجان | شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

بات یہ ہے کہ حج میں تکلیف و مشقت اُسی کو معلوم ہوتی ہے جسکو محبت نہو ورنہ اہل محبت کو تو وہاں کی ہر کلفت میں لطف آتا ہے آخر محبوبان مجازی کے وصال میں عشاق کیسی کیسی کلفتیں برداشت کرتے ہیں پھر کیا اُنکو ان کلفتوں سے کچھ پریشانی ہوتی ہے ہرگز نہیں۔ پس جسپر حج فرض ہو وہ اپنے دلکو یہ باتیں سمجھائے کہ عشاق ایک ادنی سے محبوب کے لئے ہزاروں مشقتیں جھیلتے ہیں پھر تعجب ہے کہ میں محبوب حقیقی کے دربار میں پہونچنے سے ذرا سی کلفت کیوجہ سے رکجاؤں اسی طرح دینوی مقدمات کی کامیابی کے لئے اہل دنیا نہ گرمی کی پروا کرتے ہیں نہ سردی کی نہ بھوک کی پروا کرتے ہیں نہ پیاس کی

پھر حیرت ہے کہ میں مقدمہ آخرت کی کامیابی کے لئے ذرا سی تکلیف برداشت نکروں بلکہ ہمت کرکے ضرور جانا چاہیئے۔ البتہ جسپر حج فرض نہو یا وہ فرض ادا کرچکا ہے اسکو اگر شیخ منع کردے تو اس سے یہی کہا جائے گا ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

اسکے لئے اس صورت میں حج سے زیادہ نفع صحبت شیخ میں ہوگا یہاں مرید کو شیخ کے ہاتھ میں اپنے آپ کو تسلیم کردینا چاہیئے۔ اس طریق میں تسلیم و تفویض بہت ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا بشرطیکہ شیخ کوئی گناہ نکراوے ہاں مباحات و مستحبات اسکی قلمرو ہیں ان میں وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اسے اختیار ہے اگر وہ کسی مستحب کام سے روکدے تو اس میں اسکی اطاعت لازم ہے کیونکہ وہ تمکو ایک مستحب سے روک کر اس سے افضل اور ضروری کام میں لگائے گا۔ اس راستہ میں نفس و شیطان کے مکائد بہت دقیق ہوتے ہیں بعض دفعہ شیطان ایک مستحب کام کی رغبت دلاتا ہے مگر اسکا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس میں مشغول ہوکر دوسرے اہم اور ضروری کام سے یہ رہ جائے گناہ کی رغبت تو سالک کو وہ اس لئے نہیں دلاتا کہ جانتا ہو کہ گناہ کا وسوسہ ڈالنے سے یہ فوراً سمجھ جائے گا کہ وسوسہ شیطانی ہے اور مستحب کام کی رغبت کو شیطانی وسوسہ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ ناواقف تو اسکو الہام رحمانی سمجھنے لگتا ہے مگر شیخ کامل سمجھ لیتا ہے کہ بعض دفعہ شیطان بھی مستحب کام کی رغبت دلایا کرتا ہے نہ اس لئے کہ وہ مستحبات سے خوش ہے یا سالک کا مستحبات میں مشغول ہونا اسکو پسند ہے بلکہ محض اس لئے کہ ایک ادنیٰ مستحب میں اسکو مشغول کرکے اعلیٰ اور اہم کام سے روکدے چنانچہ ایکبار ایک طالب کے قلب پر تقاضا ہوا کہ فلاں جگہ چلو وہاں قتال ہو رہا ہے وہاں چلکر خدا کے راستہ میں جان دینا چاہیئے وہ بیچارہ اسوقت تک خلوت نشین تھا ذکر و شغل و مجاہدات میں مشغول تھا کہ دفعۃً ایک دن جہاد کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا اب اس خطرہ کو شیطانی وسوسہ کون کہہ سکتا تھا ظاہر میں تو بہت اچھا خیال تھا مگر وہ شخص چونکہ سچا طالب تھا

اس لئے حق تعالےٰ نے دستگیری کی کہ آپنے فوراً اس خطرہ پر عمل نہیں کیا بلکہ حق تعالےٰ سے دعا کی کہ مجھکو اس خطرہ کی حقیقت سے مطلع کردیا جائے آخر الحاح وزاری کے بعد حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ خطرہ نفسانی ہے۔ تمہارا نفس مجاہدات سے پریشان ہو گیا ہے اس لئے وہ تمکو جہاد کی رغبت دلاتا ہے کہ اس میں ایک دم سے خاتمہ ہو جائے گا یہ روز کی مصیبت تو نہ رہے گی تو آپنے نفس کی یہ چال دیکھی وہ اُنکو فرض عین سے فرض کفایہ میں مشغول کرنا چاہتا تھا کیونکہ جہاد کرنے والے اور بہت مسلمان موجود تھے اُنکے ذمہ فرض عین نہ تھا اور اصلاح نفس فرض عین ہے اور اس کا منشا محض راحت طلبی تھی وہ چاہتا تھا کہ بس جہاد میں جاکر ایک دم سے فیصلہ ہو جائے یہ روز روز کی مشقت اور چکی پیسنا ختم ہو جائے پس نفس وشیطان کے ان مکائد کو شیخ پہچان لیتا ہے اس لئے بعض دفعہ وہ مستحبات سے روکدیتا ہے جس سے اہل ظاہر متوحش ہوتے ہیں کیونکہ وہ حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ میرے ایک دوست نے ذکر وشغل بہت زیادہ کیا دفعۃً اُنکو شدید قبض طاری ہوا انہوں نے مجھے اطلاع کی میں نے کہا کہ سب کام چھوڑدو اور خوب کھاؤ پیو ہنسو بولو۔ سیر وتفریح میں مشغول ہو اور لکھنؤ جاکر سیر کرو یا کسی دوسری جگہ کا سفر کرو۔ اس علاج سے انکو بہت وحشت ہوئی کہ ذکر وشغل چھڑا کر اچھا کام بتلایا۔ مگر باوجود حقیقت سمجھ میں نہ آنے کے اُنہوں نے اسپر عمل کیا تین چار ہی دن میں بسط قوی حاصل ہو گیا اور سارا قبض جاتا رہا بڑے خوش ہوئے تو بات یہ تھی کہ کثرت مجاہدات سے نفس تھک گیا تھا جیسے بعض دفعہ روز روز مٹھائی کھانے سے جی اُکتا جاتا ہے اس لئے تبدیل ذائقہ کی ضرورت تھی جیسے جب غذا ہضم نہ ہو تو کھانے کی ساتھ چٹنی کھالیا کرتے ہیں چنانچہ جب نفس کو مجاہدات سے چھڑا کر سیر وتفریح میں مشغول کیا گیا ذائقہ بدلگیا تو وہ انقباض بھی جاتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کو خوب سمجھا ہے اسی لئے حدیث میں ہے کہ جب تمکو نماز پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تو سو جاؤ

پھر اُٹھکر کام کرنے لگو ولن یمل اللہ حتیٰ تملوا۔ ہمارے حضرت اُستاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سبق کا تکرار ایسے وقت ختم کرنا چاہئے جبکہ کچھ شوق باقی رہ جائے مثلاً بارہ دفعہ کہنے کا شوق ہو تو دس بار ہی کہکر ختم کردو تاکہ آئندہ کے لئے شوق باقی رہے۔ اوس سے اُکتا کر نہ ختم کرنا چاہئے اُس سے آئندہ کو ہمت ہار جاتی ہے اور اُس کی ایک عجیب مثال بیان فرمائی گویا معقول کو محسوس کردیا۔ فرمایا دیکھو چلکی پھراتے ہوئے کچھ ڈورا اُس کے اوپر لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ اُسی ڈورے پر آسانی سے پھر لوٹ آوے اور اگر کبھی غلطی سے سارا ڈورا اتر جاتا ہے تو پھر بڑی دقت سے لوٹتی...... ہے۔ غرض اسی طرح اور بہت نظیریں ہیں جنھیں شیخ مستحبات سے روک کر مباحات میں مشغول کرتا ہے مگر اُسوقت وہ مباحات ہی مالا یعنی ہیں اور مستحبات اُس شخص کے لئے لا یعنی ہوتے ہیں باقی اسکے لئے قواعد ہیں یہ نہیں کہ جب چاہا جو چاہا حکم دیدیا قواعد ضرور ہیں مگر وہ پاس رہنے والے کو بتلائے جاتے ہیں اگر ہر شخص کو وہ قواعد بتلائے جائیں اور وہ اُنسے کام لینے لگے تو عدم مہارت فن کے سبب وہی قصہ ہوگا کہ ایک حکیم صاحب اپنے صاحبزادہ کو ساتھ لیکر ایک مریض کو دیکھنے گئے نبض دیکھکر کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے آج آپنے نارنگی کہائی ہے مریض نے اقرار کیا لوٹتے ہوئے صاحبزادہ نے دریافت کیا کہ آپکو نبض سے یہ کیونکر پتہ چلگیا کہ اسنے نارنگی کہائی ہے حکیم صاحب نے کہا کہ نبض سے تو مجکو اتنا معلوم ہوا تھا کہ اسنے کوئی چیز قاطع صفرا استعمال کی ہے پھر مجھے پلنگ کے نیچے نارنگی کے چھلکے نظر آئے تو میں سمجھ گیا کہ اسنے نارنگی کہائی ہے بس اب صاحبزادہ کہاں تھے بڑے خوش ہوئے کہ ہمکو آج بڑا مسئلہ معلوم ہوا۔ جب حکیم صاحب مرگئے اور صاحبزادہ کا دور دورہ ہوا تو کسی مریض کے یہاں بلائے گئے آپکو تو وہ مسئلہ یاد ہی تھا نبض دیکھکر چارپائی کے نیچے نظر کی تو ایک نمدہ پڑا ہوا دیکھا کہنے لگے کہ آپنے آج نمدہ کہایا ہے لوگ اسپر ہنسنے لگے بیمار نے کہا کہ بھلا نمدہ بھی کوئی کہانیکی چیز ہے جو میں کہا لیتا تو آپ کہنے لگے کہ نبض سے تو یہی معلوم ہوتا ہو کہ آپنے آج نمدہ کہایا ہے اُسنے ملازم سوتی کہتا کہ اس جاہل کو نکالو

اسکی دُم میں نمدہ۔ اسیطرح اناڑی آدمی کو اگر یہ قواعد بتائے جائیں گر وہ بھی ایک قاعدہ یاد کرکے سبکو ایک ہی لکڑی ہانکے گا باقی محققین نے اسکے لئے اصول وقواعد بیان کئے ہیں اور محقق اُنکو سمجھکر استعمال بھی کرتا ہے اگرچہ ایسے لوگوں پر عوام نے طعن بھی بہت کئے ہیں مگر مشائخ پر طعن نہیں ہو سکتا وہ جو کچھ کرتے ہیں حقیقت سمجھکر کرتے ہیں امام غزالی نے لکھا ہے کہ جب ذکر سے طبیعت اُکتا جائے تو اس ذاکر پر تھوڑی دیر ہنسنا بولنا بھی واجب ہے۔ لوگوں نے اس مسئلہ کی وجہ سے امام پر بہت طعن کیا کہ دیکھو ہنسنے بولنے کو واجب کردیا مگر محقق کا کلام محقق ہی ہوتا ہے اسکا راز یہ تھا کہ اصل میں تو عمل واجب ہے اور بعض طبائع کی خصوصیت سے عمل موقوف ہوتا ہے نشاط پر اور نشاط ہوتا ہے ہنسنے بولنے سے اور یہ مسلم ہے کہ مقدمۃ الواجب واجب پس اب اسمیں کیا اشکال رہا۔ یہ مضمون بہت طویل ہے لیکن وقت تنگ ہو گیا ہے اسلئے میں بیان کو ختم کرتا ہوں اور حدیث کا خلاصہ پھر بیان کئے دیتا ہوں کیونکہ خلاصہ بیان کردینے سے مقصود محفوظ ہوجاتا ہے حاصل اس ارشاد نبوی کا یہ ہے کہ فضول اور لغو باتیں اور کام چھوڑ دو اور فضول اُسے کہتے ہیں جسکے چھوڑنیسے نہ دنیا کا ضرر ہو نہ آخرت کا اور اسکے کرنے میں نہ دُنیا کا نفع ہو نہ آخرت کا اب دعا کرو حق تعالےٰ ہمکو عمل کی توفیق دیں آمین وصلے اللہ علےٰ سیدنا ومولانا محمدٍ وعلےٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۰

تمّت بالخیر